



ناولٹ

عید تمہارے سنگ پیا

PDFBOOKSFREE.PK

ریحانہ آفتاب



ریگانہ نقاب



رہ گیا۔

”دو لوگ جب کافی گیپ کے بعد ملیں تو پہلے ایک دوسرے کا حال پوچھتے ہیں فارمیٹلٹی نبھاتے ہیں تم۔“ وہ ٹرائی میں ریفریویشنٹ سجا رہی تھی۔

”واقعی میں نے کافی بدتمیز ہی کا ثبوت دیا۔ اور اس نے ابھی سب ٹھیک کر لیتا ہوں۔“ اس نے اس شایعہ پر رکھ کر دونوں ہاتھوں کو آپس میں رگڑا دیا۔

”ہیلو میم! میں ان دنوں ار تضحی ہوں“ آپ کی سوسائٹی سسٹر کانا میں دیور۔ جسے آپ دو سالوں سے جانتی ہیں اور جہاں تک میری یادداشت کام کر رہی ہے وہ ڈیڑھ برس سے ہم دونوں ایک دوسرے کی محبت میں سر تپا جلتا ہیں۔ مینے میں ان گنت بار ملے بھی ہیں گھنٹوں آن لائن ہوتے ہیں۔ سو یہ پوچھنا ہے آپ کیسی ہیں؟“

”میرا کہنے کا یہ مقصد نہیں تھا۔“ اس کی بات کاٹ کر ہاتھ پہ ہاتھ مارا۔

”میں تو فارمیٹلٹی“ بھارا ہاتھ۔“

”تم یونہی بے ترتیب ٹھیک ہو۔“ اس نے اس کے ہاتھ جوڑ دیے۔

”نوازش مگر آپ سنوری ہوئی کافی اچھی لگ رہی ہیں۔“ بلیک سوٹ۔ بلیک اینڈ اسکاٹی پلو فرنٹلڈ وہ اپنے کھلے بالوں میں وہ اس کی نظروں میں تھی۔

”ثناء ٹرائی لاؤنچ میں لے جاؤ۔“ وہ سامنے سے آتی ملازمہ سے گویا ہوئی۔ وہ حکم کی تعمیل کو چل دی۔ ان دنوں ار تضحی نے اورن جوس کائن اس کی طرف بڑھایا اس

”ہلیجہا ہارون! مشہور و معروف فیشن ڈیزائنر

اور یکن میں“ استجابیہ آواز یہ اس کا سر میکا کی انداز میں گھوما۔ اسکاٹی پلو جینز پہ ہم رنگ شرٹ پہنے وہ اچھا لگ رہا تھا۔ کف کے ہنڈل کھلے ہوئے تھے۔ خوبصورت ہینڈل کے ساتھ تازہ شیو کی ٹیلا ہٹیں لیے بے حد فریش نظر آ رہا تھا۔ سحر انگیز مسکراہٹ لبوں پہ رقصاں تھیں۔ شوخ نگاہیں اس کا طواف کر رہی تھیں۔

”یکن میں موجودگی پہ حیرانی کیوں؟ کیا میں لڑکی نہیں ہوں؟“ وہ پلٹ کر اوون سے چاکلیٹ پیسٹری

ناولٹ

نکل رہی تھی۔

”شکر ہے تم لڑکی ہو، ورنہ میرا کیا ہوتا؟“ اب وہ فریج کے اندر بھانک رہا تھا۔

”تمہیں خبر تھی بھابھی کو ڈراپ کرنے میں آ رہا ہوں؟“ اس نے فریج سے ٹرا نقل کر چ سو فلفے کی ڈش نکال لی جو اس نے ایک گھنٹے پہلے بنا کر فریج میں رکھا تھا۔ دوسرے ہاتھ میں اورن جوس کا ٹرن پیک تھا۔ اسپون اسٹینڈ سے چمچ لے کر وہ ٹرا نقل کر رہا تھا۔ ”ہول۔۔۔ اچھا ہے۔“ ساتھ ہی کمینٹ سے بھی نوازا گیا۔ ٹرن کھول کر لبوں سے لگا لیا۔

”ہزاروں دیکھے مگر تم جیسا“ مہمان“ نہیں دیکھا۔“ قمار کشی نظروں سے گھورتے اس نے ٹرا نقل کی ڈش جھپٹ لی۔ وہ ”تھوڑا سا اور تو کھلے دو۔“ کہتا

”تم جیسا بے شرم بندہ سامنے ہے اور میرا شرم
سے نیلا پھیلا پڑنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ سو آپ کا
”مقصد“ پورا ہو جائے گا مگر آپ کی غیر موجودگی
میں۔“
”بہت بڑی شے ہو تم۔“ بھرپور مسکراہٹ نے

”کھلم لیا۔
”ڈسٹ بن میں ڈالو مجھے دینے کی کیا ضرورت
ہے؟“ لبوں پہ شوخی آنکھوں میں شرارت تھی۔
”میرا مقصد“ کچھ اور ہے۔“
”کیا؟“ وہ انجان بن کر استفسار کرنے لگی۔
”کیا اب ہر بات میں ہی پتاؤں؟ سمجھ نہیں آتا تم
اسی لڑکی مجھ سے محبت کیسے کرتی ہے؟“
”بہت ہمدرد دل رکھتی ہوں نا“ سو تم پہ ترس آگیا
”وہ بے ساختہ ہنس دیا۔ وہ ٹن فریق میں رکھنے
لگی۔“ تو اے؟“ استفسار ہوا۔



تم کل مارشیمس جا رہے ہو، دوستوں کے ساتھ اندھے کو کیا چاہیے دو آنکھیں۔ وہ فوراً سے پہلے اس کے پاس سے اٹھ گیا۔

”یہ حال ہے ان کا۔ بزنس کی باتیں سن کر منہ نہ جاتا ہے۔ دنیا میں کیا ہو رہا ہے، انہیں خبر نہیں ہو رہی ہوتی ہے۔ قف ہے ایسے لڑکوں پہ جو اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر کچھ کر دکھانے کا عزم نہیں رکھتے۔ شکر کہ اس کا بھائی اور ہمارا داماد عاشرا س پہ نہیں کیا۔ سونے کا چمچ منہ میں لے کر پیدا ہونے کا یہ مقصد نہیں کہ فورسٹ بنے ملکوں ملکوں عیاشی کرتے پھریں۔ جب سنو دوستوں کے ساتھ ٹرپ پہ ہوتے ہیں۔ یہ تو عاشرا کا بڑا پن ہے جو وہ اسے کچھ گنتا نہیں۔ اتنا بڑا بزنس اکیلے سنبھالنا کوئی آسان بات ہے۔ احساس کرا چاہیے اسے غیر ذمہ داری کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ بنے گا ایسے لڑکوں کا۔“

”ہیہ! کول ڈاؤن۔ ناحق آپ اپنا خون جلا رہے ہیں۔ ہمیں عاشرا سے مطلب ہے کہ وہ ہماری بسن کا ہسپتال ہے اور بہت سمجھ دار ہے۔ رہا انزون رہے دیں یہ ہمارا لگتا کیا ہے۔“ ابراہیم کو نرمی سے سمجھا رہا تھا۔

”انزون جیسے ایم سی ایس ڈگری ہولڈر کو دیکھ کر لگتا ہے انہوں نے ڈگری صرف شو آف کرنے کو لی ہے۔ ہماری سوسائٹی میں ایسے کتنے ہی ٹیلنٹڈ لڑکے ہیں جو مصائب کی چکی میں روز پس رہے ہیں۔ ان کے پاس اتنے وسائل نہیں کہ وہ اپنی انجکشن کمپلیٹ کر کے ڈگری کے بل بوتے پہ اچھی پوسٹ پہ بیٹھ کر کچھ کر دکھائیں۔ انزون جیسے لڑکوں کو ڈگری کی بھی کیا ضرورت ہے، ان کا مقصد تو فقط وقت گزاری ہی ہے۔ وجاہت کے بعد عاشرا تھا جس نے بزنس کو پروان چڑھایا۔ اگر آج عاشرا سے جائیداد سے بے دخل کر دے تو محترم رہیں گے کہاں، کھائیں گے کیا؟ کچھ کر تو سکتے نہیں کہ بزنس اور بزنس مین دونوں انہیں ناپسند ہیں۔ مجھے تو ایسے لوگوں کی موجودگی سے بھی کوفت ہوتی ہے۔“ ہیا دھیمے لہجے میں غصے سے کہے جا رہے تھے۔ ابراہیم انہیں کول ڈاؤن کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لاؤنچ کے

چہرے کا احاطہ کر لیا۔ سنڈے کے باعث سب ہی گھر میں تھے۔ لاؤنچ میں ہاما اور سیدنا گفتگو میں مصروف تھیں۔ ان سے ذرا فاصلے پہ ہیا اور ابراہیم خالصتاً بزنس افیئرز کو ڈسکس کر رہے تھے۔ وہ ہاما اور سیدنا کی طرف بڑھ گئی جبکہ انزون ارتضیٰ کا رخ ہیا اور ابراہیم کی طرف تھا۔ فارمیٹنگ کے بعد ہیا اور ابراہیم پھر سے اپنی باتوں میں مصروف ہو گئے تھے اور وہ برے برے منہ بنا رہا تھا۔ کلنی میں شو گر مکس کرتے اس کی نظریں اس پر جمی تھیں۔ اس کی بے بسی پہ خوب محفوظ ہو رہی تھی۔ جانتی تھی بزنس کا ذکر اسے کتنا گراں گزرتا ہے۔ ”تھینکس پیٹا!“ کلنی کا مک اس کے ہاتھ سے لے کر ہیا انزون ارتضیٰ کی طرف متوجہ ہوئے۔ ”یو نو، کل اشاک ایکس چینج کی صورت حال زبردست تھی۔ شیرنز کی خرید و فروخت ریکارڈ توڑ ہوئی ہے۔“

”مجھے نہیں پتا۔“ اس کے لاعلمی کے اظہار پہ ہیا کے چہرے پہ ایک لمحے کو ناگواری در آئی۔ ہیلہ جہاڑون کو بھی اس کے جواب نے گھورنے پہ مجبور کر دیا۔ یہی تو موقع ہوتا ہے جب وہ اپنی ”علیت“ کی دھاک بٹھا سکتا تھا۔ ”بزنس اورز“ کے سامنے یہ بے زاری یقیناً مضرت تھی۔ اس نے ابراہیم کو گنگھمایا۔

”کل اشاک ایکس چینج نے بے حد منافع بخش کاروبار کیا۔ حصص اور۔۔۔“ ابراہیم گویا تھا اور وہ مکمل درجے کی بے نیازی سے گویا ہوا۔

”ابراہیم بھائی! پلیز چینج ڈائناک۔“ ابراہیم کے ساتھ ایک لمحے کو سب ہی ٹھنک گئے۔ ہاما سیدنا بھی متوجہ ہو گئیں۔ ہیلہ جہاڑون کسی قدر چھکی پڑ گئی۔

”مجھے نفرت ہے بزنس اور بزنس کی باتوں سے۔ کیا ہمارے پاس کرنے کو اور کوئی بات نہیں ہے؟“ وہ معصومیت سے استفسار کر رہا تھا۔

”ڈسکس کرنے کو تو اور بھی بے شمار ٹاپکس ہیں مگر ہر ٹاپک ہمیں کھانے کو نہیں دیتا۔“ ہیا کا لہجہ اچھا خاصا اکھڑا اکھڑا ہو گیا۔ ہاما نے چویشن کو کنٹرول کیا۔

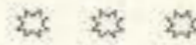
”انزون! تم یہاں ہمارے پاس آؤ۔ سیدنا بتا رہی ہے

کا جرم کر بیٹھا تھا۔ ہلیجا ہارون جیسی کچھ کر دکھانے کا عزم رکھنے والی لڑکی اسے متاثر کر گئی تھی۔ اس کی شخصیت میں بھی مقناطہ سمیت تھی کہ ہلیجا ہارون اپنے دل کو اس کی طرف کھینچنے سے روک نہ سکی۔ ازون ار تفضی ہر طرح سے مکمل تھا مگر پروفیشن، کریز بزنس، ان باتوں کا تذکرہ ہوتے ہی اس کی پرسنالٹی ڈاؤن ہونے لگتی تھی۔ وجہ ت انکل کی حادثاتی موت کے بعد عاشق نے اسے بھائی نہیں بلکہ بیٹے جیسی محبت دی تھی۔ بقول سب کے یہی لاڈ اس کے لیے مضر ثابت ہو رہے تھے۔ ایم سی ایس کے بعد پریکٹیکل لائف میں آکر بھی اس کے شب و روز میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ وہی یار دوستوں میں وقت گزارتا ہوٹلنگ کرتا، ٹورسٹ بنے ملکوں ملکوں وزٹ کرنا اس کا دل پسند مشغلہ تھا۔ ماما اور سہنا نے کئی بار اسے بزنس کی دنیا میں قدم رکھنے کو کہا مگر وہ ”بھائی ہیں نا“ کہہ کر پھر کسی ملک کی خاک چھاننے چل دیتا۔ آج سے پہلے ہلیجا ہارون کو اس کی ذات کی یہ خامی اتنی بری کبھی نہیں لگی تھی مگر شام کو ازون ار تفضی کے لیے پیپا کے کمشنس نے اسے سوچنے پہ مجبور کر دیا تھا۔ پیپا اور ازون ایک دوسرے کی ضد تھے اگر یہ تضاد بونی چلتا رہتا تو یقیناً اس کی ذات بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہتی۔ حقیقت کو اس نے کھلی آنکھوں سے دیکھا تو اسے لگا پیپا کا کہنا غلط نہیں۔ کل کس نے دیکھا ہے جو سے وہ آج اور ابھی ہے اور جس نے ”آج“ اور ”ابھی“ سے فائدہ نہیں اٹھایا، اس کے لیے یقیناً ”کل“ بھی بے معنی، بے کار ہو گا۔

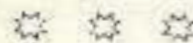


”کیا کر رہے تھے؟“ رات اس کا فون آگیا۔
 ”نیٹ پہ بیٹھا تھا کافی انتظار کروایا تم نے“
 ”ایک ماڈل کا ڈریس اسکیج کر رہی تھی اب تمہاری طرح فری تو ہوں نہیں۔“ اس نے لطیف سا طنز کیا۔
 ”کل تمہاری شس جا رہے ہو؟“

کونے میں براجمان ازون ار تفضی ماما اور سہنا کی باتیں بگھار رہا تھا۔ پیپا اور ابرار کے براجمان ہلیجا ہارون سن بیٹھی رو گئی تھی۔



عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
 پیپا اس مقولے پہ ایمان کی حد تک یقین رکھتے
 پیپا جیمبر آف کامرس میں ہاٹ کیک کی سی اہمیت
 تھے۔ یہ کامیابی، یہ نام، بے پناہ عزت، بے تحاشا
 کسی نے ملشت میں سجا کر انہیں پیش نہیں کیا
 اس عزت، دولت، شہرت کے پیچھے ان کی انتھک
 اور کاوشوں کا بڑا عمل دخل تھا۔ پیپا کا ہمیشہ سے
 ارادہ ہوتا تھا ”یہ کرنا ہے“ اور پھر وہ کر گزرتے
 انہوں نے جس چیز کے لیے جدوجہد کی، اللہ نے
 اس کو ازیادہ پیپا خود کو مائنڈ تھے اور انہیں ایسے ہی
 ہاٹ تھے۔ تینوں بچوں کی پرورش پیپا نے عام ڈگر
 ہاٹ کر کی تھی۔ سہنا ماما پر گانا لوجسٹ تھی۔ ابرار
 اسے کرنے کے ساتھ ہی پیپا کے ساتھ بزنس
 اور پارٹنر اینڈ کرتا رہا تھا۔ ایم سی ایس کی ڈگری
 بعد وہ بزنس کو اپنا اوڑھنا بچھونا پنا چکا تھا۔ پیپا کو اس
 فائدہ ہوا کہ پہلے ان کی دو فرم تھیں، تیسری فرم کا
 افتتاح انہوں نے چند سال پہلے ہی کیا تھا۔ سب سے
 ہلیجا ہارون تھی جو ”اسٹائلش بوتیک“ کی روح
 تھی۔ پچھلے ماہ برائیدل فیشن شو میں اس نے
 لیا تھا اور اسے ونر کے ٹائٹل سے نوازا گیا تھا۔
 انہوں کی کامیاب لائف سے پیپا بے حد مطمئن
 دو سال پہلے سہنا کی شادی عاشق سے ہوئی تھی۔
 اور سہنا کی ملاقات بزنس ڈنر میں ہوئی تھی۔ عاشق
 پوپولز پہ پھانے ہاں کا ووٹ دیا تھا کیونکہ عاشق
 بزنس کا چمکتا ستارہ تھا۔ چھ ماہ پہلے ابرار کا بھی نکاح
 تھا۔ نداما کی جیتی بھاگی تھی۔ رخصتی نہ اے کے لاء
 سہاٹ کرنے پہ ہوئی تھی۔



ازون ار تفضی ہلیجا ہارون کی محبت میں مبتلا ہونے

”ہوں ساتھ چلو گی؟“ مگر جوشی سے آفری۔
”دوبار جا چکی ہوں، کتنے دن کانپ رہی ہے؟“ استفہار کیا۔

”تکفرم تو کچھ کہہ نہیں سکتا۔ دوستوں کا سوؤ جس سب سے مڑے گا، ہم اسی پہ سفر کریں گے۔“
”اس کے بعد؟“ پھانے اس پہ سوچ کے در کھول دیے تھے۔

”تم تک ہی آؤں گا۔ کیا ڈر لگ رہا ہے کہ میں بدل جاؤں گا؟ مارشس بہت خوبصورت جگہ ہے وہاں حسن بھی بے حد ہے۔ اس سے پہلے بھی تو میں کئی جگہوں پہ گیا ہوں۔ تب تو تم نے بے اعتباری نہیں بتائی۔ پہلے تو کبھی تمہیں ڈر نہیں لگا؟“

”ڈر مجھے نہ تب لگ رہا تھا نہ اب لگ رہا ہے۔ بے اعتباری نہ پہلے تھی نہ اب ہے۔ مجھے یقین ہے جو چیز میری ہے وہ مجھے ملے گی۔“
”دیش گڈ۔“ اس نے سراہا۔

”تم اپنے پروفیشن کو کب سیکسلی لو گے؟“ اب کے اس نے پھل کے استفہار کیا۔
”سب کچھ تو ٹھیک چل رہا ہے۔“ انداز ٹالنے والا تھا۔

”پھر بھی، تمہیں سوچنا چاہیے۔“
”سوچ لوں گا، پروفیشن اور کیریئر کے لیے وقت بہت ہے۔“ اس کا لہجہ لاپرواہ تھا۔
”کبھی کبھی وقت ریت کی طرح مٹھی سے نکل جاتا ہے اور خبر بھی نہیں ہوتی۔“ انداز نامحاذ تھا۔
”کیا ہو گیا؟ اتنی پٹی کیوں ہو رہی ہو؟ کل میں جا رہا ہوں، بجائے پیار و محبت کی بات کرنے کے تم۔“
اس کا سوؤ آف ہونے لگا۔

”میں نے کچھ غلط نہیں کہا، تم سوچو تو برنس۔“ وہ برین واشنگ کی کوشش کر رہی تھی اور وہ رابطہ منقطع کر چکا تھا۔ تاسف سے سر ہلاتے اس نے ری ڈائل کا بٹن پریس کیا۔

”آزی! کیا پچھنا ہے۔ بات کرنی ہے تو بولو، ورنہ میں بند کر رہی ہوں فون۔“ وہ خاموش تھا۔ ناچار اسے

دھمکی دینا پڑی۔

”بات کروں گا، پہلے وعدہ کرو موڈ خراب نہ کرنا۔ بات نہیں کرو گی؟“ انداز نرم تھا تھاں، لمبی سانس اس نے کھا۔

”وعدہ رہا۔“ آج کے لیے اتنا ہی کافی تھا تھی وہ چکنا گھڑا ہے، آہستہ آہستہ ہی قابو میں آئے پھانے اسے انون اور تھنی کے کیریئر کی کر دیا تھا۔ اس میں اس کا مغان جو پوشیدہ تھا۔



ڈیڑھ ماہ کا عرصہ بیت گیا تھا اور انون اور تھنی تک دیا ر غیر کی بھول بھلیوں میں کھویا ہوا تھا۔ کل وہ کہاں ہے؟ یہ اس کے اسی میل سے پتہ لگ گیا۔ پلجیا بارون اس کی موجودہ روش سے کھولے گئے تھے۔ سیرو تفریح کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ ہاتھوں میں اس نے سینا کو کہا بھی تھا۔

”آپ لوگ انون کو روکتے ٹوکتے نہیں؟“ مصرف گزارے وقت کا احساس دلا نہیں۔

”مما اور میں ہر بار سرزنش کرتے ہیں اور اگلے پھر کہیں جانے کو تیار ملتا ہے۔ اس پر کسی کی بات نہیں کرتی۔ عاشر اس پہ سختی نہیں کرتے تو وہ انہیں حد پیا رہا۔“ اما آزی کو ڈانٹتی ڈپٹی ہیں تو عاشر اس کی حمایت کرتے ہیں کہ ابھی چھوٹا ہے۔

”اب اتنا بھی چھوٹا نہیں ہے تمہارا دیور۔“ وہ گئی۔ فون پر بات کرتے ہوئے وہ کچھ کام بنی رہی تھی تب ہی گلاس ڈور دھکیل کر انون اور تھنی کے ”اسٹائنلس بوتیک“ کے اندر قدم رکھا۔ اس کی زبان ایک لحظے کو رک گئی۔ مسٹر جینز میں دھانڈا شرٹ بنے سن گلاسز آنکھوں پہ چڑھائے بے حد فریش نظر آ رہا تھا۔ وہ پھر سے اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”آپ تشریف رکھیں سرا!“ رینا اس کی سیکرٹری تھی۔ انون اور تھنی سے بڑی حد تک آشنا تھی۔ وہ اکثر ویسٹر آتا رہتا تھا۔

ہوئی۔
”یو ڈونٹ وری میم!“ تھوڑی دیر بعد وہ لچ کر رہے تھے۔

نیندوں میں خوابوں کا سلسلہ
خوابوں میں یادوں کا سلسلہ
ملے جب سے تم خود سے جدا ہو گئے
خدا کی قسم تم یہ فدا ہو گئے
واپسی میں اسٹرو آپ تھا۔ گلوکار کے ساتھ گنگنا تا وہ
بے حد خوش نظر آ رہا تھا۔

پر سکون گوشے پہ اس نے گاڑی کو بریک لگایا۔
بلجھا مارون نے خاموشی سے اسے دیکھا۔ دیش بورڈ
سے بلیو کیس اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا۔
”تمہارے لیے لیا تھا۔“ خاموشی سے کیس لے کر
کھول کر دیکھا۔ اندر وہاٹ گولڈ کی چین اور رنگ
تھی۔

”بہت خوبصورت ہے۔“ اس نے کیس بند کرتے
ہوئے کہا۔ انون نے کیس اس سے لے لیا۔ کیس
سے رنگ نکال کر اس نے مکمل استحقاق سے اس کا
بایاں ہاتھ تھام لیا۔ قریب تھا کہ تیسری انگلی میں رنگ
ڈال دیتا۔ بلجھا نے سرعت سے انگلیوں کو موڑ لیا۔
”کیوں؟“ لیوں نے ساتھ نہیں دیا مگر آنکھوں میں
سوال در آیا۔ ایک بل میں اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔
جیسے وہ ایسا کچھ توقع نہیں کر رہا تھا۔ اس کے تھیر کو دیکھتے ہوئے
دھیسے لہجے میں گویا ہوئی۔

”تمہیں چاہا ہے میں نے تمہارے ہاتھوں رنگ
پہن کر دی مسرت ہوگی مجھے لیکن یہ صرف ایک رنگ
نہیں ہے یہ لائف ٹائم کمٹمنٹ ہے اور میں چاہوں
گی یہ کمٹمنٹ تم سب کے سامنے کرو یوں نہیں۔“

اس کے چہرے کی رونق لوٹ آئی۔
”تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔ میں فیسو ہوں اور مجھے
سب کے سامنے کمٹمنٹ کرنے میں بھی کوئی عار
نہیں لیکن ابھی اس کا وقت نہیں آیا تب تک کیا تم
اس رنگ کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتیں؟“ اس نے
رنگ کو چین میں پرو کر چین اس کی طرف بڑھائی۔ وہ

اس اوکے۔“ وہ جنگ کے ملبوسات کو دیکھ رہا
تھا اس میں پسندیدگی کے رنگ گہرے تھے۔ مسٹر
اس کے وہ اس تک آئی۔

”اسے سامنے دیکھ کر آنکھیں جھپکنے لگیں۔
”اب آئے؟“ دونوں ہاتھ سینے پہ لپیٹے وہاٹ
میں اس کے سامنے تھی۔ اس نے بے ساختہ
گالی پہ بندھی ریسٹ و لچ پہ نظر ڈالی۔
پینتیس منٹ پہلے سامان رکھنے کے بعد تم تک
”اس نے نظریں ہنوز اس پہ جمی تھیں۔

”ہا پلکس جھپکے دیکھ رہے ہو کوئی خاص بات؟“
اسے مسکرا کر اس نے گلاسز سر پہ نکالیا۔
”یو ری پکڑی تم نے؟“ انداز محظوظ کن تھا۔
”ہوں۔“ اس نے کچھ کہنے کو لب کھولے پھر نفی
سہلانے لگا۔

”کچھ کہنا ہے؟“ استفسار ہوا۔
”کہنا تو بہت کچھ ہے مگر۔“

”تم سے کیا کیس جاننا اس قدر جھیلے میں۔“
ارد گرد موجود ور کر لڑکیوں پہ نظر ڈالتے ہوئے وہ
اسپ انداز میں گویا تھا۔ وہ مسکرا دی۔ دل کے بے حد
لب رہنے والا بندہ طویل وقفے کے بعد نظر آئے تو
اس کی ناراضگی خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔ وہ بھی بھول
گئی تھی کہ اس نے ملے کر رکھا تھا کہ اتنی طویل غیر
حاضری پہ اس سے بات نہیں کرے گی مگر اسے دیکھتے
سارے عہد و ارادے بھر بھری ریت میں بدل

”جانتا ہوں طویل غیر حاضری پہ تمہارے غصے کا
ش نشان چھٹنے کو تیار ہوگا۔ لیکن کیا تم میرے ساتھ
کر تے ہوئے اس غصے کو نہیں نکال سکتیں؟ تمہاری
اٹ پھنکار خاموشی سے سنوں گا۔ آئی سوئیر۔“ کہتے
ہوئے اس کی مسکراہٹ بھر پور تھی۔

”تم نہیں سدھرو گے۔“ کیسا جاوہر تھا وہ بل بھر
میں سب اپنے سنگ باندھ لیتا تھا۔ نظر خیال دل
سب اس کے تابع ہو جاتے تھے۔
”رینا! نیک کیئر۔“ پرس کاؤنٹر سے اٹھاتے وہ گویا

بڑی آس سے جواب کا متمنی تھا۔ شولڈرز پہ بکھرے بالوں کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹ کر اس کی طرف سے رخ پھیر لیا۔ اگلے ہی لمحے ازون ار تفضی نے چین اس کے گلے میں پسنا دی۔

”اگر جو تم نے دیر کر دی؟“ خدشہ زبان پہ آگیا۔
”نہیں کروں گا۔“ یقین دلایا گیا۔ گلے میں موجود رنگ پہ ہاتھ رکھے وہ چپ بیٹھی تھی۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اس نے نرمی سے دباؤ ڈالا۔ نظروں کا تصادم ہوا۔

”مجھ پر یقین کرو، تمہارے ہاتھ کی تیسری انگلی میں اگر کبھی کوئی رنگ جھلملائی تو وہ میرے نام کی ہوگی۔“
لجہ تین سے بھر پور تھا۔

”اگر جو۔۔۔“
”کچھ نہیں ہوگا۔“ اس کے دھونس بھرے لہجے نے اسے چپ رہنے پہ مجبور کر دیا۔



پلیجیاریون ازون ار تفضی کو ہر طرح سے سمجھا کر دیکھ چکی تھی مگر اس پہ اس کی کسی بات کا مطلق اثر نہ تھا۔ اس کے شب و روز ہنوز وہی تھے۔ وہ ہر بار اس سے ناراضگی کا اظہار کرتا چاہتی اور وہ ہر بار اس کے موڈ کو اپنے سنگ پیالے جاتا۔ سینا اور عاشق کی شادی کی تیسری سالگرہ تھی۔ پارٹی میں زیادہ تر بزنس مینز انوائسٹڈ تھے، سوا محول بھی اسی قسم کا تھا۔

”یہ پارٹی کم اور صبر کا امتحان زیادہ لگ رہا ہے۔ یہاں تو سانس لینا بھی دو بھر ہو رہا ہے۔ ہوا تنک میں جیسے بزنس حلوں کر گیا ہے۔ بس تم میرے ساتھ رہو۔“ وہ اس کا ہاتھ تھامے گویا تھا۔ ”پہا، ماما اور ابراہ بھی آئے تھے۔ پارٹی ختم ہونے کے بعد وہ سب جا چکے تھے۔ سینا نے اسے روک لیا تھا۔ رات کافی ہو چکی تھی۔ سب سونے جا چکے تھے۔ چیخ کر کے وہ بھی سونے کا ارادہ رکھتی تھی۔ برش کرتے اس کی نظریا لکٹی پڑی۔

اپنے کام سے فارغ ہو کر بالکنی میں نکل آئی۔

دونوں ہتھیلیاں بالکنی کی منڈیر پہ جمائے قدرے جھک کر وہ نیچے لان میں جھانک رہا تھا۔ جہاں ملازم سامان سمیٹ رہے تھے۔ اس کے چہرے کے عضلات ظاہر کر رہے تھے وہ کسی گہری سوچ میں مستغرق ہے۔ خاموشی سے کھڑی رہی مگر اس کی موجودگی کا اسے احساس نہ ہوا۔ منڈیر پہ رکھے اس کے بائیں ہاتھ پہ اس نے اپنا ہاتھ ہولے سے رکھا۔

”آریو اپ سیٹ؟“ گردن موڑ کر اس نے بے ساختہ اسے دیکھا۔ نظریں خالی خالی تھیں جو ظاہر کر رہی تھیں وہ اندر سے منتشر ہے۔

”ازی، کیا ہوا ہے تمہیں؟“ اس کا انداز اسے بے سکون کر رہا تھا۔ گردن واپس موڑ کر اس نے نظریں لاؤنکجہ جمادیں۔

”کچھ نہیں۔“
”پھر۔“

”ایک سوال تنک کر رہا تھا، اسی کا جواب دھونڈ رہا ہوں۔“ پلیٹ کر اس نے بالکنی سے کمر نکادی۔ بائیں ہاتھ سے دائیں بازو کو ہولے ہولے دبانے لگا۔

”شیر کر لو، ہو سکتا ہے مجھے اس کا جواب آتا ہو۔“ وہ اس کے مقابل دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ بازو پیٹے پہ پلیٹ لیے۔

”زندگی میں محبت ضروری ہے یا دولت۔“ اس نے سوال کیا۔

”محبت اور دولت، زندگی کی بقا کے لیے دونوں چیزوں کا ہونا لازمی ہے۔ کسی ایک کی کمی یا زیادتی زندگی کے توازن کو بگاڑ دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔“ دولت نہ ہو تو انسان بھوکا مر جائے۔ سوسائٹی میں موجود لوگ اپنے سے کمتر کو انسان کے بجائے کیرٹرا کوڑا سمجھتے ہیں۔ ”محبت“ بنی نوع آدم کا پہلا احساس۔ یہ احساس کہ ہم کسی کے دل میں رہتے ہیں، کوئی ہمیں چاہتا ہے، بہت جاں فزا ہے۔ رشتے خواہ خون کے ہوں یا دل کے، دل کے دھڑکنے کے لیے محبت کی موجودگی ہی کافی ہے لیکن انسان دولت کی محبت میں مبتلا ہو کر رشتوں کی محبت کو فراموش کر دیتا ہے۔ روپوں کی

”کیا کہتی ہیں میری آنکھیں۔“ شوخی سے استفسار ہوا۔

”چھٹو ہے اعتبار مت کرنا۔“ وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔ اب وہ دونوں واک کرتے ہوئے اپنے اپنے بیڈروم کی طرف بڑھ رہے تھے۔

”آج پارٹی میں کتنے ہی لوگوں کو میں نے عاشق بھائی سے کہتے سنا کہ ”ان دنوں کو بھی تو بزنس سکھاؤ۔“ اور وہ ہر اک کو جواب دیتے پھر رہے تھے۔

”بھی اس کے انجوائے کرنے کے دن ہیں۔ میں ہوں نا بزنس دیکھنے کو۔“

”انتا بڑا بزنس عاشق بھائی اکیلے چلا رہے ہیں۔ تم کم سے کم ان کی مدد تو کرو یا کرو۔ ہند کرو یہ سیرو تفریح اور سیرسلی لو اپنے فیوچر کو۔ کل کو کچھ ہو گیا تو مجھے الزام مت دینا۔“

”کیوں کوئی پروپوزل آیا ہے تمہارے لیے؟“ ساری باتوں سے اس نے مطلب کی بات پہ توجہ دی۔ ”ہوں“ دو پروپوزل ہیں تو ”مگر ہا کو پسند نہیں۔ اگر جو کوئی انہیں اٹریکٹ کر گیا تو روتے رہو گے۔“ اس نے ڈرایا۔

”تمہاری انگلی میں صرف میرے نام کی رنگ ہوگی۔“ لہجہ آج بھی اٹل تھا۔

”اور کانفیڈنٹ ہو۔“

”میرا گمان سچ ہے۔“

”دیکھ کیس گے۔“

”دیکھ لینا۔“ اس کے بیڈروم کے دروازے پہ ایک

لحظے کو رکا۔

”ہیو آسوئیٹ ڈریم۔“ پھر آگے بڑھ گیا۔



بلیجہا پارون عجب دورا ہے پہ کھڑی تھی۔ ان دنوں کی موجودہ روش کو دیکھتے ہوئے اسے ڈر لگنے لگا تھا۔ ڈر حقیقت کا لباس زیب تن کر کے اتنی جلدی اس کے سامنے آجائے گا اس کے گمان میں نہیں تھا۔ سر دونوں ہاتھوں میں تھا سہ وہ سینا کو اچھسے سے دیکھ رہی

ہوس میں خونی رشتے ناتے اسے بے معنی لگنے لگتے ہیں۔ دولت کی محبت اور رشتوں کی محبت دونوں کے ساتھ محبت جڑی ہے مگر ہم ہر جگہ دیکھتے ہیں کہ رشتوں کی محبت دولت کی محبت کے آگے ہار جاتی ہے۔ بے جان چیز کے لیے انسانی جذبات و احساسات کا سرعام قتل کیا جاتا ہے اور آج تک کیا جا رہا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ ”لہجہ ولی کرب کا آئینہ دار تھا۔ بات مکمل کر کے سر جھکائے لب چبانے لگا۔

”انسان بے حد عاقبت نا اندیش ہے۔ ازل سے فانی چیزوں کے پیچھے بھاگتا ہے۔ دولت کب چھن جائے کچھ پتہ نہیں۔ قبر میں تو انوں سے بھرا بریف بیس ہم اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتے ہیں۔ دولت فانی ہے جبکہ محبت فانی نہیں ہے۔ ہمارا وجود ہونہ ہو دل میں اپنے پیاروں کی محبت بسی رہتی ہے۔ جہاں تک زر کی محبت میں مبتلا لوگوں کا ذکر ہے دولت کی دوڑ میں دوڑتے ہوئے ایک دن تھک ہار کر وہ بھی بیٹھ جائیں گے تب انہیں احساس ہو گا کہ دولت جسم کی احتیاجات تو پوری کرتی ہے مگر دل و روح کی نہیں۔ جسم سونے کے تاروں سے بنا سوٹ ہے لیکن سینے کے نہاں خانوں میں دل تشنگی تشنگی چلا رہا ہے۔ دل کی بے سکونی آپ روپوں سے نہیں مٹا سکتے پھر انسان پلٹتا ہے اپنے اصل کی جانب۔ سکون کی نگری کی جانب، سیرالی کی جانب، محبت کی جانب۔“ مضبوط لہجے میں وہ انسانی فطرت کو ہائی لائٹ کر رہی تھی۔ وہ خاموش ہوئی تو اس کے لب بے ساختہ مسکرا دیے۔

”کہاں سے سیکھا انتا اچھا بولنا۔“

”کہو تو تمہیں بھی سکھا دوں؟“

”نیکی اور پوچھ پوچھ۔“ لہجے کی شوخی ظاہر کر رہی

تھی وہ ریلیکس ہو چکا ہے۔

”تمہیں سیکھنے کی ضرورت نہیں۔“

”کیوں؟“ ”پچپی سے اسے دیکھا۔“

”تمہارے لبوں کو کھلنے کی ضرورت پیش نہیں

آتی۔ تمہاری ساحر آنکھیں یہ کام بہت اچھی طرح

سے کر گزرتی ہیں۔“

تھی۔
 ”آئی! آپ سب جانتی ہیں پھر بھی۔“
 وہ بے شکل بول پالی۔ ”مما کو خبر تھی وہ ایسا ہی ری ایکٹ کرے گی تب ہی انہوں نے سینا کو بلا لیا تھا۔“
 ”ہاں میں جانتی ہوں کہ تم اور ازون ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو۔ ملا بھی جانتی ہیں۔ ازون میرا دیور ہے اور میں جانتی ہوں کہ وہ بہت اچھا ہے لیکن اس کا کوئی کیریئر نہیں ہے اور اس کے شب و روز کو دیکھتے لگتا نہیں ہے کہ وہ کبھی سیریس بھی ہو گا۔ وہ دیور ہے اور تم بہن۔ خون کا رشتہ ہے ہم دونوں کا۔ میں کبھی نہیں چاہوں گی کہ تم ازون کے حق میں فیصلہ دو۔ ازون جیسے داماد کا بھیا کے خوابوں میں بھی گزر نہیں ہے۔ تم جانتی ہو؟“
 ”آئی وہ ٹھیک ہو جائے گا۔“ اس نے بووی سی ویل دی۔

”کب ہو گا؟ تم تو کافی عرصے سے اسے سمجھا رہی ہو۔ لوگ تو محبوب کی باتیں اک سیکنڈ میں مان لیتے ہیں مگر ازون نے تمہاری بات کبھی نہیں مانی۔ اس کا مطلب ہے وہ تمہارے ساتھ سیریس نہیں ہے۔ فلرٹ کر رہا ہے۔“ وہ انگلیاں چٹکانے لگی۔
 ”میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں ہے مگر میں تمہارا نقصان ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔ تمہاری وجہ سے وہ مجھے اور زیادہ عزیز ہو گیا ہے۔ ممّا کے ساتھ کئی بار میں نے اس کی برین واشنگ کی ہے۔ مگر اس کی اپنی ہی لاجبک ہے۔ اسے اپنے لائف اسٹائل میں تبدیلی لانا چاہیے تھا۔ سوچنا چاہیے تھا یہاں ساری زندگی تمہیں اپنے پاس نہیں رکھ سکتے۔“ سینا کی اک اک بات حقیقت پہ مبنی تھی۔ وہ چاہ کر بھی انحراف نہ کر سکی۔
 ”باوی ازکار بزنس کیونٹی میں کافی جانا مانا جاتا ہے۔ چھوٹی سی عمر میں اس نے خود کو اور اپنی صلاحیتوں کو منوایا ہے۔ یہاں اس کے بزنس مائنڈ سے اس پر پس ہیں۔ ہماری ویڈنگ اینورسری وہ اٹینڈ نہ کر سکا۔ ان دنوں وہ فارن کیا ہوا تھا۔ اس کی ممی نے تمہیں پسند کیا ہے۔ باقاعدہ پروپوزل بھیجا ہے۔ یہاں کل اس کی فیملی کو

”آپ بہت کم گو ہیں؟“ باوی ازکار کی فیملی اندر برا جملن تھی۔ وہ دونوں ملان میں واک کر رہے تھے۔
 ”بولنے کی بات کبھی گھنٹوں بولتی ہوں۔“
 ”گڈ۔ سنا ہے آپ ”اسٹائلش“ کے نام سے بوتھک چلا رہی ہیں۔ اور خاصی مشہور بھی ہیں۔ اچھی بات کہ ہے ہماری صف نازک خود کو ثابت کر رہی ہیں۔ افسوس کہ میں آج تک آپ کے بوتھک سے کچھ خرید نہ سکا۔ ہٹ بوڈونٹ وری انشاء اللہ میں جلد ہی آپ کا پرمیٹ کسٹمر بن جاؤں گا۔“ انداز میں کوئی اجنبیت نہیں تھی انداز یوں تھا جیسے ان کی پہلی ملاقات نہیں ہے بلکہ وہ آشنا ہیں۔
 ”آتم سوری ٹو سے“ آپ میرے پرمیٹ کسٹمر نہیں بن سکتے۔“
 ”کیوں؟“ استیجا یہ نظریں اس پہ اٹھی ہوئی تھیں۔

”میں صرف لیڈرز فیشن ڈیزائن کرتی ہوں۔“ اس کی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔
 ”سو سیڈ۔“ انداز افسوس ناک تھا۔ بلکہ جاہارون نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ بلو کٹر کی سونگ مین وہ کسی بھی لہنگل سے رہ چھٹ کیے جانے کے لائق نہیں تھا۔ اس کا دل اواسی کی اٹھا میں ڈوب گیا۔
 ”آئیے بیٹھتے ہیں۔“ واک کرتے تھک گئے تو لان چیر کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بیٹھ گئی۔ تو وہ اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

”پرو فیشن سے ہٹ کر کیا کرتی ہیں؟“ گویا انڈیو کا باقاعدہ آغاز ہو چکا تھا۔
 ”جو دل اور دماغ کہتا ہے۔“
 ”دل اور دماغ اکثر اک دوسرے کے اگھنس بھی

”کیا کوئی ہے؟“ جھکا سر اٹھا کر اس نے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔
 ”نہیں۔“ لب بھینچ کر آنکھوں میں آئے پانی کو اندر اتارا۔



”آپ کہیں جا رہی ہیں ماما؟“ ایک ماہ کی سیاحت سے وہ ابھی لوٹا تھا۔

”عمر بہت بھوک لگی ہے۔ کھانا کھلا دو بھائی۔“
 کچن میں جاتے ملازم سے کہہ کر لاؤنج میں ہی براہمن ہو گیا۔

”بھابھی ہسپتال گئی ہیں؟“ جو گزر اتارتے وہ استفسار کر رہا تھا۔ سفر کی گرد تھکا تھکا ٹاپا ہر کر رہی تھی۔
 ماما سے دیکھ کر ٹھٹک گئی تھیں۔ ان کے دل سے ہو کر اٹھی کاش کہ وہ آج نہ لوٹا۔

”ماما طبیعت ٹھیک ہے نا؟ آپ کی خاموشی مجھے ڈرا رہی ہے کم سے کم ہمیشہ کی طرح خڈاٹ ہی لیں۔ بھابھی تو اس وقت تک آف ہو جاتی ہیں۔ کیا کوئی ایمر جنسی کیس آگیا تھا۔؟“ وہ جلدی جلدی بول رہا تھا۔

”جائے کیوں میرا دل لھیرا رہا تھا۔ ہر ٹور انجوائے کرتا ہوں مگر جانے کیوں اس بار دل ڈرانا لگا۔ سب کی یاد بے کل کر رہی تھی۔ سو دوستوں کو چھوڑ کر اکیلا لوٹ آیا۔“ ماما کی خاموشی اور ماحول کا بوجھ لپٹا پن اسے کلٹے لگا۔ ماما کو سمجھ نہیں آ رہا تھا اسے کیا نہیں اور کیسے سمجھائیں۔

”سیدنا کیسے گئی ہوئی ہے۔“ آواز من کر عاشرا نے کمرے سے نکل آیا۔ ماما کی پڑ گئیں۔

”وہاں سب خیریت ہے نا؟“
 ”وہاں تو خیریت ہی ہے جبکہ یہاں کی ”مشکوک“

لگ رہی ہے۔“ عاشرا کا انداز استنہائے تھا۔
 ”عاشرا۔“ ماما کے لب کا پے نظریں اتارنا تھیں پھر وہ انگلیاں مسلنے لگیں۔

”وہاں ڈیوین بھائی؟“ وہ کھڑا ہو گیا۔
 ”سیدنا میکے میں ہے میں اور ملا بھی وہیں جا رہے

چلتے ہیں۔“ کر اس کو نسچن بہت اچھا تھا۔

”پچھر میں سب کا تب تقدیر کے سپرد کر دیتی ہوں۔“
 ”ناکس۔ باتیں اچھی کرتی ہیں۔“ پسندیدگی بھری

نظریں اور بچہ دریدہ کلر کے دیدہ زیب سوٹ میں ملبوس سہائی شام کا رنگ بڑھاتی پلججا بارون پہ اٹھی ہوئی تھیں۔ شولڈر کٹ ہاتھوں کو جھٹکے سے پیچھے کرتے اس نے بغور اسے دیکھا۔

”آپ تعریف بہت جلدی کر دیتے ہیں۔“
 ”خاصی حاضر جواب ہیں۔“

”خدا کی دی نعمتوں کا بر محل استعمال کرتی ہوں۔“
 جملہ بازی سے دونوں ہی محفوظ ہو رہے تھے۔ چند

ٹانٹھے لن کے درمیان خاموشی کے پردے سرسراتے رہے۔ وہ ارد گرد اڑتے سفید کیڑوں کو دیکھتی رہی۔

اس نے اک نظر میں اس کی خویت کو نوٹ کیا پھر اسے دیکھا۔

”مردوں سے بہت محبت ہے؟“
 ”تفرت تو کسی سے نہیں کرتی۔“ ملازم چائے رکھ

کر چاچکا تھا۔
 ”شوگر؟“ ہاف ٹی اسپون ”اس نے کپ اس کے

سامنے رکھ دیا۔
 ”تھینکس۔ یونو۔ ہماری فیملی کی میٹنگ کا“ بیک

گراؤنڈ“ آپ کو پتا ہو گا؟“ اسپون کپ میں ہلاتے وہ گویا تھا۔ وہ خاموش نظریں کپ پہ جمائے بیٹھی رہی۔

”فریگ ہو کر اک سوال پوچھنا چاہوں گا۔ اجازت ہے؟“

”جی یو چیس۔“
 ”آپ ماشاء اللہ سے بڑی امپریسیو پرنسائی رکھتی

ہیں۔ ہو سکتا ہے بہت سوں نے آپ کو چاہا ہو۔ کوئی آپ کے ساتھ کا تمنائی ہو۔ کبھی آپ کو کوئی اچھا لگا؟

کبھی آپ نے کسی کو چاہا؟“ ہاوی انکار کے سوال نے دل میں درد کے تار چھیڑ دیے تھے۔ حلق میں آنسوؤں کا گولہ چھنس گیا تھا۔ اسے لگا اگر وہ اس وقت جواب نہ

دے سکی تو شاید کبھی نہ دے سکے۔ وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

شکایت نہیں کی تھی۔ کسی حق تلفی پہ رویا، چہنا ہوا
نہیں تھا۔ مگر آج وہ چاہتی تھیں وہ روئے چہلے
چلائے کیونکہ ہلیجا بارون اس کا پہلا خواب تھی۔ اس
کی کتنی ہی باتیں وہ ان سے کرتا رہتا تھا۔ ہر چیز میں
والے عاشق نے آج اس سے اس کی زندگی بچین کی
تھی۔ چند ٹانصے ساکت وصامت کھڑا رہا پھر جھٹکے
پوریج کی طرف چل دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی گاڑی
مین گیٹ کر اس کر کے ہوا سے بات کر رہی تھی۔



اپنی بوئیک کے سب سے خوبصورت گرین کمر
کے لہنگے میں ماہر پوٹیشن کے ہاتھوں تیار ہو کر وہ
چین لگ رہی تھی۔ ڈریسنگ روم میں اس وقت کوئی
نہیں تھا۔ لڑکے والے آچکے تھے۔ تھالی میسر ہوئی تو وہ
سرود آئینے کے آگے کھڑی ہو گئی۔ اس دن کا اس
روپ کا انتظار تھا۔ اب جب یہ ساعت آگئی تھی وہ
دلہن بنی کھڑی تھی تو احساسات برف کی سل میں بدل
گئے تھے۔ اس کے تمام خواب ازون ار تھنی سے
بندھے تھے اور وہ ہادی اذکار کی منگیت بننے چلی تھی۔
اس طوفان کو روکنے کی اس نے اپنی سی پوری کوشش
کی تھی مگر اکیلی اس طوفان پہ بند نہ پاندھ سکی۔ چین
میں پرویا رنگ اب بھی اس کے گلے میں موجود تھا۔ مگر
ازون ار تھنی اس سے بہت دور ہو گیا تھا۔ وہ رو نہیں
رہی تھی نہ ہی اسے رونا آ رہا تھا۔ رنگ مٹھی میں پیچھے
اپنے اک اک نقوش میں وہ اسے کھوج رہی تھی
ڈھونڈ رہی تھی۔ جو نجانے کن راہوں کی خاک چھان
رہا تھا۔ جو ہمیشہ اس کی باتوں کو ٹال جایا کرتا تھا۔
ڈریسنگ روم کا دروازہ کھول کر کوئی اندر داخل ہوا۔ پھر
اس نے آئینے میں اس کے عکس کو ابھرتے دیکھا۔ وہ
تصور نہیں اپنی ہستی کا زعم لیے اس کے سامنے تھا۔
اسے شانوں سے پکڑ کر اس نے اس کا رخ اپنی طرف
کیا۔ ساحر نظریں اس کے حسین روپ میں ایک
ایک گئیں۔ اس کے دونوں شانوں کو تھامے قاتل
آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سے پر درو لہجے میں

”کوئی پارٹی ہے؟“ اس کی سکس مینس تیزی
سے کام کرنے لگی۔

”ہوں گریٹر پارٹی ہے۔ میری اکلوتی سسٹرن لاء کی
انگیمینٹ سیرتھی ہے۔ مشہور انڈسٹریلسٹ ہادی
اذکار سے۔“ ایک دم سے لڑکھڑا کر اس نے صوفے کو
پکڑ کر خود کو کنٹرول کیا۔ مہمناک سے لب کچل رہی
تھیں۔

”ایز آلمٹلپ برادر میں نے تمہاری طرف داری
کی تھی اپنے فاور ان لاء کے آگے“ اس وجہ سے کہ تم
اور ہلیجا اک دوسرے سے محبت کرتے ہو مگر نہ جی وہ
تو سنتے ہی بھڑک گئے کہ ایسا لاپروافطرت کا لڑکا اور ان کا
داماد۔ سوری ازون میں نے تو چاہا تھا تم جو میرے ہم
زلف بننے کا خواب دیکھ رہے ہو وہ پورا کروں۔ اگر جو
خبر ہوئی کہ میرے بات کرتے ہی وہ ”آٹا“ فانا“ ہادی اذکار
کا پروپزل ایکسپٹ کر لیں گے تو یہ قصہ پہلے ہی
پہنا لیتا۔ ناحق اتنا عرصہ ہلیجا کو تمہارے ساتھ دیکھ کر
میں نے اپنا خون چلایا۔ تم اپنے ارمانوں کی قبر پہ کوئی
اچھا سا کتبہ لگا کر سوگ مناؤ تب تک میں انگیمینٹ
سے ہو آتا ہوں۔ مہمناک میں بھی کتنا پاگل ہوں۔
اب آپ کہاں میرے ساتھ میری سسرال چلیں گی۔
آپ تو حقیقی بیٹے کے آنسو پونچھیں گی۔ سوکیری آؤں۔“
عاشق کا لہجہ بہت سخی تھا۔ مٹھیاں جیسے لہورنگ آنکھوں
سے وہ اس کا اک اک انداز دیکھ رہا تھا۔ بے یقینی عروج
کو چھو رہی تھی۔ عاشق کے قدم پوریج کی طرف اٹھے
تھے پھر وہ مڑا تھا۔

”ازی سوری بھائی، بیڈ لک۔“ پھر وہ بیڑھیوں کے
پچھے گم ہو گیا۔ لب کچلتے سرنفی میں ہلاتے ساکت
نظروں سے وہ اک ہی منظر کو گھوڑے جارہا تھا۔ دل کی
گھڑی میں درد کی بارش اتر آئی تھی۔ مٹھیوں کی ابھری
رگیں شدت ضبط کی امین تھیں۔

”ازی!“ مہمناک نے بمشکل پکارا تھا۔ آج انہیں اپنی
تمی داسنی کے ساتھ اس کی محرومی کا احساس ہوا تھا۔
جانتی تھیں بچپن سے آج تک اس نے کبھی ان سے

انتظار کیا۔

”کیوں؟“

”اب یہ سوال کیوں؟“ قاتل آنکھوں میں بے شمار
شکوہ اور آنسو۔

”میرا انتظار بھی نہیں کیا؟“ لہجہ شکستہ تھا۔

”کب تک کرتی؟“ پتلیس جھپک کر اس نے
آنکھوں کی پانی کنٹرول کیا۔

”کہا تھا مات گنواؤ وقت؟ کہا تھا سیرلی لو اپنے
پروفیشن کو؟ کہا تھا ہر چیز میں اپنے داماد کو بڑا عالم
وفا مثل دیکھنا چاہتے ہیں؟ کہا تھا ناویر ہو گئی تو؟ کہا تھا نا
وقت ریت کی طرح مٹھی سے نکل جاتا ہے؟ کہا تھا نا پھا
کو کوئی انسہار کر گیا تو روتے رو گئے؟ کہا تھا نا التزام
مست دینا ہے؟“ عالم جنون میں وہ اس کے سینے پہ کئے
مارتی گویا تھی۔ آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ لہجہ
کیکھار رہا تھا۔ آنکھیں شدت گریہ سے لگانی ہو گئی
تھیں وہ خاموشی سے اس کا منتشر وجود دیکھتا رہا۔

”کتنا کچھ کہا تھا میں نے راک نہ مانی۔ اب کیوں
آئے ہو؟ میری بے بسی کا تماشا دیکھنے؟ یہ دیکھنے کہ کسی
اور کے نام کی رنگ پینتے ہوئے مجھے کتنی تکلیف ہوتی
ہے؟ یہ دیکھنے کہ تمہیں کھونے کے خوف نے میری کیا
حالت کی ہے؟“ اس کے کالر کو مٹھی میں دبوچ کر جھٹکا
دیتے وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی۔

”تصور تمہارا نہیں میرا ہے۔ تم سے محبت کر کے
میں نے ست بڑی بھول کی۔ میں نے جہا ہارون برنس کی
دنیا کے گاؤں دار کی بیٹی معروف فیشن ڈیزائنر مجھے محبت
کرنے کے راقی نظر آیا بھی تو کون؟ جو زندگی میں کبھی
سیریس نہیں ہوں۔ جس نے کبھی پروفیشن کے بارے
میں نہیں سوچا۔ جو بھائی کے نظروں پہ پل رہا ہے۔
جس کی اپنی کوئی پہچان نہیں۔ دو وقت کھانے کو پاس
اک دھیلا نہیں۔ میں بھی پاگل تھی جو تم جیسے ناکام
انسان سے پیار کر بیٹھی۔ تم چلے جاؤ یہاں سے۔ مجھے
اب نہ تو کبھی تم سے ملنا ہے۔ نہ ہی کبھی تم سے بات
کرنی ہے۔“ مہندی سے رچے دونوں ہاتھ اس کے
سینے پہ رکھ کر اسے پیچھے دھکیل دیا اس کے قدم

مضبوطی سے جتے رہے۔ تمام ترش باتیں اس نے
خاموشی سے سنی تھیں۔ اس گھڑی کوئی احساس گہرا تھا
تو اس کی دلگرفتگی کا۔

”لہجہ! وہ کافی دیر بعد کچھ کہنے کے قابل ہوا تھا۔
”میں مشہور انڈسٹریلسٹ کی منگیتر بننے جا رہی
ہوں۔ آپ جیسے بے کار لوگوں کو نہیں جانتی بہتر ہو گا
مجھے اس طرح استحقاق سے نہ پکاریں۔“ اس نے رخ
موڑ کر ترش کر جواب دیا۔ لہجہ دانداز تکبر سے بھرا تھا۔
آگے بڑھ کر اس نے ڈرننگ روم کا دروازہ کھول دیا۔
”آپ جا سکتے ہیں۔“ بے گانوں کا تاثر لیے وہ
لا تعلق بنی کھڑی تھی۔ اجنبی تاثرات پہ وہ اس تک
آیا۔

”میں نے بھی اک بات کہی تھی تمہاری انگلی میں
صرف میرے نام کی رنگ ہوگی۔“
”خواب دیکھنے پر پابندی نہیں ہے۔“ اس کا
استہزاء یہ رنگ گہرا تھا۔
”تعبیر دلتے دیر کتنی لگتی ہے۔“

”لوور کا نفیڈنس کا شکار تو تم شروع سے رہے ہو۔
مجھے درد دیا اب میں تمہیں جتاؤں گی درد سے کتنی
تکلیف ہوتی ہے۔ تمہاری لوین آرڈر رہی ہے تاکہ
میری انگلی میں تمہارے نام کی رنگ جھللائے۔ لیکن
ابھی جب ہادی انکار میرے نام میں ہاتھ کی تیسری انگلی
میں سب کے سامنے رنگ ڈالے گا تب تمہاری تعبیر
کی دھجیاں بکھر جائیں گی۔“ اندر کی ساری جلن لہجے
میں آسانی تھی۔ اس کا بایاں ہاتھ دروازے کے پٹ پہ
تھا جبکہ دوسرے ہاتھ سے اس نے لنگا سنبھالا ہوا تھا۔
”تم ایسا کچھ نہیں ہونے دو گی۔“

”میں ایسا ہی کروں گی۔“ وہ بے حد خونخوار ہو رہی
تھی۔

”ایسا کچھ نہیں ہو گا میں ایسا ہونے نہیں دوں گا۔
میں نے زندگی میں بہت کم ضد کی ہے اور جب بھی کی
ہے اس ضد کو پورا کر کے دم لیا ہے۔ خواہ اس ضد نے
مجھے کتنا ہی درد دیا ہو۔ سوری لہجہ۔“ کہنے کے ساتھ
ہی دروازے کا پٹ اس نے بند کر دیا تھا۔ اس کی چیخ

انجوائے کر رہے تھے۔ محبت سے انہیں دیکھتی رہی جب تھک گئی تو نظریں انگلیوں پہ مرکوز کر لیں۔ درد کے احساس کے ساتھ درد دینے والا تصور کے پردوں میں لہرا گیا۔ بارہ بجے کے بعد بلو صوف ہو کر وہ اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو گئی۔ ساری رات حالت عبادت میں گزاری۔ پچھلی شب برات میں ازون ارتضیٰ اس کے پاس تھا۔ اور بار بار اسے تنگ کر رہا تھا وہ اسے سخت ست کہتی۔

”اتنے بڑے ہو گئے ہو تمہیں خبر نہیں کہ عبادت کی رات ہے۔ کیسے مسلمان ہو تم؟“ اس نے ڈھٹائی سے مسکرا کر کہا تھا۔

”عبادت کرتے ہوئے بڑی اچھی لگ رہی ہو۔ اللہ پاکیزہ سرایا میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ اللہ سے جو مانگنا ہے مانگ لو یقیناً تم اسے بھی بڑی اچھی لگ رہی ہو گی۔“ تب وہ اسے فہمائشی نظروں سے گھورتی رہی تھی۔ آج نہ وہ اس کے پاس تھا۔ نہ اس کی آواز تھی۔ ہاتھ دعا کو اٹھائے وہ کچھ بھی تو نہ مانگ سکی۔ کبھی کبھی لب ساتھ نہیں دیتے مگر دل کی ہر دھڑکن دھڑک کر اپنی تشنہ آرزوئیں بیان کر دیتی ہے۔ اور اللہ جو ہر رات ساتوں آسمان سے نیچے آکر اپنے بندوں کو مانگنے کو کہتا ہے۔ دینے کو تیار رہتا ہے۔ بے شک اس کی نگاہوں سے کچھ پوشیدہ نہیں۔ وہ نیتوں کا حال بھی جانتا ہے۔ دل میں سر اٹھاتی بہکتی خواہش بھی دیکھ لیتا ہے۔ پلکوں تلے بننے والے خوابوں سے بھی آشنا ہوتا ہے۔

پوچھت چکی تھی۔ ساری رات کی جاگی آنکھیں جل رہی تھیں۔ آنکھوں کی جلن طویل شب بیداری کی چغلی کھا رہی تھی۔

تکلیف پہ اس نے سر رکھے دیکھتی آنکھوں کو شہادت کی انگلیوں سے سلکایا۔ دفعۃً اس کے سیل کی لہر ہولی۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے سیل اٹھایا۔ اسکرین پہ موجود نام اور نمبر۔ دل کی دھڑکن ختم تھی۔ ناچا چتے ہوئے بھی اس نے کال ریسیو کر لی۔

”میلو۔“ آواز کا بو بھل پن حیاں تھا۔

”دور رہی ہو؟“ اپنا نیت سے استفسار ہوا۔

دلہنہ کی دروازے پہ موجود بائیں ہاتھ کی انگلیاں دب گئیں۔ سرعت سے دروازہ واپس کھول کر اس نے ایک کلائی تھام لی۔ منہ دی سے بھی انگلیاں زخمی ہو گئی تھیں۔ تیسری اور چوتھی انگلی سے خون نکل آیا تھا۔ باقی دونوں انگلیوں کے ناخن ٹوٹ گئے تھے۔ تکلیف کی شدت سے وہ ہلکا رہی تھی۔

”سوئی میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا۔“ ہولے سے سرگوشی کر کے وہ ڈریسنگ روم سے نکل گیا۔ ہر غل و گیم میں میوزک آن تھا جس کے باعث اس کی نائیب گئی تھی۔

چلو لہجہ تمہارا بلاوا آ گیا۔“ سینا کے ساتھ کئی اک کزنز اسے اسٹیج پہ لے جانے کو آموجو تھیں۔ پالی کی دھار کھلے وہ انگلیاں صاف کر رہی تھی۔

”یہ کیا ہوا؟“ سینا نے کلائی تھام لی۔

”مانے کلائی انگلیاں تو ہری طرح زخمی ہو گئی ہیں۔ یہ ہوا کیسے؟“ وہ تشویش سے معائنہ کر رہی تھی۔

”میرا رشتہ دکھ رہا تھا آپ کو بلانے کے لئے دروازے تک آئی تو دروازہ ہاتھ سے چھوٹ گیا اور انگلیاں دب گئیں۔“ شدت گریہ سے سرخ آنکھیں چراتے ہر اک کو کی کہانی سنارہی تھی۔

”سمجھ کسی کو بھیج کر فرسٹ ایڈ منگواؤ لا پورا رہی

کی بھی حد ہوتی ہے لڑکی۔ آج کے دن اور وہ بھی بایاں

تھوڑے تھوڑے تھوڑے دیر بعد چاروں انگلیوں میں مینڈیج

کے وہ انگلیاں ہادی اؤ کار کے پہلو میں براہمن تھا۔ یہ

لڑکی ہادی نے بھی سن لی تھی سو اس نے سیدھے ہاتھ

کی تیسری انگلی میں رنگ ڈال دی۔ اسٹیج تالیوں سے

کراتا تھا۔ اس کی ساکھ بھائی کی بدولت اچھی رہی تھی۔ جب بزنس پر اہل کم کا شکار ہوا۔ بھائی نے اس کی ہیلپ کی تھی۔ وہ آئندہ بھی ان کی توجہ کا طالب تھا۔ دیدہ زیب لائسنس کی روشنی پہ لائن میں دن کا گمان ہو رہا تھا۔ ماما اور ماما اپنی بایں کر رہی تھیں۔ سیناٹن کا ساتھ دے رہی تھی۔ جبکہ بھائی ابراہ اور عاشق زور و شور سے بزنس کیونٹی میں اچانک تسلسلہ چھوڑنے والی فرم کا تذکرہ چھیڑے بیٹھے تھے۔ "مانتا بڑے گا بھی۔ زنی گروپ آف انڈسٹریز نے اپنا لوہا منوایا ہے۔ ہر جگہ ان کا طوطی بول رہا ہے۔"

روایتی جیلسی سے قطع نظر بھائی ہر محنت کرنے والے کے کام کو سراہنے کا دل رکھتے تھے۔

"میری بلج کے مطابق اس فرم کو اشارت ہوئے دو سال ہوئے ہیں۔ اور اتنے طویل وقت میں اس فرم نے جیمبر آف کامرس کے ساتھ تمام انڈسٹریسٹ کی نیند اڑا دی ہیں۔ اس فرم کے پیچھے یقیناً کوئی "ماسٹر مائنڈ" بندہ ہے۔" ابراہ بھی اسپرٹس تھا۔ "نوڈاؤٹ۔" عاشق نے بھی سراہا۔

"بھائی اب ہمیں ٹلف کمپٹیشن کا سامنا ہو گا۔" ابراہ نے دوسرا رخ دکھایا۔

"کریں گے بیٹا۔ کمپٹیشن کا مزا بھی اسی وقت آتا ہے جب مد مقابل زور آور ہو۔" بھائی کا لہجہ مسکراتا ہوا تھا۔

"اس سے پہلے میں "زنی گروپ آف انڈسٹریز" کے روح رواں سے ملنے کا خواہش مند ہوں۔ ابراہ جتنی جلدی پاسل ہو تم میری میٹنگ طے کر لینا۔ اک جینٹلمن بندے سے نہ ملنا اس کی توہین ہے۔"

"آپ ان دنوں آسٹریلیا گئے ہوئے تھے۔ میری اک بار ملاقات تو ہوئی ہے اس کے آخر سے مگر بے حد سرسری۔"

"بھائی کا اشتیاق دیکھ کر اب تو مجھے بھی "زنی گروپ" کے کرتادھرتا سے ملنے کا اشتیاق ہو رہا ہے۔ ایسا کیا کرویا انہوں نے؟" عاشق نے مصنوعی اشتیاق کا تاثر دیا۔ درحقیقت اس جیسے خود پرستی کے مارے شخص پہ

"نہیں۔" غارضوں پہ آنسو لڑھکائے تھے۔ "مجھ سے جھوٹ مت بولو۔ تمہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔" اس نے دعویٰ کیا۔ وہ خاموش رہی۔

"انگلیاں کیسی ہیں؟ چوٹ گہری تو نہیں آئی؟" فکر مندی سے پوچھا۔

"بہت گہری چوٹ آئی ہے۔" لہجہ آنسوؤں میں بھیگ گیا۔

"سوری لیجیو۔ میں اس وقت خود کو کنٹرول نہ کر سکا۔" وہ بے چارگی سے اپنے جنون کا اعتراف کر رہا تھا۔

"مجھے معاف کر دو۔" چند ٹانھے خاموشی رہی۔

"مصلحت کی تھی؟ میں نے بھی کی۔ میں نے اللہ سے تمہیں مانگا ہے اور مجھے یقین ہے میری دعا پوری ضرور ہوگی۔ ابھی مسجد سے لوٹا ہوں۔ تم بہت یاد آ رہی تھیں۔ کل دن ہو گئے تھے تم سے بات کیے۔"

وہ اس انداز میں گویا تھا جیسے ان کے مابین کچھ نہ ہوا ہو۔ سدا کا سا انداز تھا۔ جیسے لمبے نور سے لوٹا ہو اور وہ

پرانی ہلیجہ ہارون ہو۔ حقیقت کو قبول نہ کرنے سے حقیقت کی ہیئت بدل نہیں جاتی۔ ہلیجہ ہارون جانتی

تھی وہ اس کا گزرا کل ہے جبکہ آج وہ کسی کی منگیتز ہے۔ کل ڈسکینٹ کر کے اس نے سیل لاک کر دیا۔

"زیون ار تفضی! اسی دن کے ڈر سے تمہیں سمجھاتی تھی۔ تم نے خود تو دکھوں کا سودا کیا ہی ساتھ ہی

مجھے بھی درد کے ساگر میں ڈال دیا۔ محبت کے نام پر کیا دیا تم نے مجھے درد۔ ترب کسک، ملال، اذیت گنتے

سنگدل ہو تم۔ بے حس، ظالم، بے مہر۔ بازو آنکھوں پہ رکھے وہ اذیت کے پل سے گزر رہی تھی۔



اتوار کا دن تھا۔ ہلیجہ کو چھوڑ کر سب عاشق کے ہاں موجود تھے۔ عاشق بھائی کی گڈ بک میں ہمیشہ سے تھا۔ سو

اس کے بلاوے پر بھائی اور ابراہ بھی آئے بیٹھے تھے۔ ڈنر تو اک بہانہ تھا۔ اصل میں تو عاشق بھائی کی شہرت کو کیش

تھا۔

”کل رات جب میں نے بھائی سے خواہش ظاہر کی کہ میں بزنس میں ان کی ہیلپ کرنا چاہتا ہوں۔ بزنس کے داؤ پیچ سیکھنا چاہتا ہوں تو انہوں نے سختی سے انکار کر دیا۔“

ماحول میں اک عجیب طرح کا کھنچاؤ در آیا تھا۔ سما سیدنا کی توجہ بھی ان کی گفتگو کی طرف مبذول ہو گئی۔ جبکہ ممابے چینی سے انگلیاں مسل رہی تھیں جیسے ازون ار تفضی کے ریلیکس موڈ کے پیچھے چھپے طوفان کو انہوں نے بھانپ لیا ہو۔ عاشر غضبناک نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ سب کی نظریں سوالیہ انداز میں عاشر پہ گڑی تھیں۔

”بھائی کے انکار پہ یقیناً آپ سب تعجب کا شکار ہوں گے۔“

”ازی! گھر کی بات گھر میں ہو تو زیادہ اچھا ہے۔“ عاشر نے بمشکل اشتعال کنٹرول کیا ہوا تھا۔

”یہ سب آپ کے ان لا تر ہیں بھائی۔ میں گھر کی بات باہر والوں کے سامنے تو نہیں کر رہا ہوں۔ آج اس لب کشائی کی زحمت بھی آپ نے ہی مجھے دی ہے۔“ اس کا لہجہ بے حد سرد تھا۔ ہر کوئی اس کے نئے روپ کو تحیر سے دیکھ رہا تھا۔ کھلندرا نظر آنے والا ازون ار تفضی آج اک الگ ہی روپ، رنگ میں ان کے سامنے تھا۔ عاشر بے بسی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ نگاہوں میں التجا تھی۔ ازون ار تفضی آج کسی التجا کو خاطر میں لانے کے موڈ میں نہیں تھا۔

”ار تفضی وجاہت سے آپ سب واقف ہیں۔ وہ ہمارے پھا تھے۔ بزنس کیونٹی میں آج بھی ان کا نام عزت سے لیا جاتا ہے۔ بڑی ماما کا انتقال اس وقت ہوا جب بھائی بارہ برس کے تھے۔ پھانے میری ماما سے شادی کر لی پھر میرا وجود عمل میں آیا۔“ ماما، پھا، ابرار ٹھنک کر اک دوسرے کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔ ماما کی نظریں ازون ار تفضی کے تپتے چہرے کی طرف تھیں۔ یقیناً اس کی برداشت جواب دے گئی تھی۔ ابھی وہ اتنا اشتعال میں آ رہا تھا۔

”زنی گروپ آف اینڈسٹریز“ کا ذکر گراں گزر رہا تھا۔ وہ بے حد جھپٹیں ہو رہا تھا۔

”تمہیں نہیں پتا؟“ پھا کو جیسے افسوس ہوا۔ عاشر کو خفت کا احساس ہوا۔ ”کل انہوں نے ریکارڈ کنسانمنٹ روانہ کیا ہے جس سے ویسٹرن ممالک میں نہ صرف ان کی فرم کی دھاک بیٹھ گئی ہے بلکہ وہاں کے کئی اینڈسٹریسٹ نے ان سے رابطہ بھی کیا ہے۔ اپنے ساتھ کام کرنے کی منہ مانگی آفر کی ہے۔ مگر ”زنی گروپ آف اینڈسٹریز“ کے ڈائریکٹر نے انکار کر کے چیئیر آف کامرس سے جڑے رہنے کا اعلان کیا ہے۔“

”نہیں۔“ عاشر بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ”میں اس ماسٹر اینڈ بندے سے ملنے کا خواہش مند ہوں۔ ایسے ایسے گورنایاب روز روز تھوڑی ملتے ہیں۔“ پھا کا شوق برقرار تھا۔

”اسلام علیکم!“ ازون ار تفضی جانے کب سے ان کے درمیان موجود تھا۔ وہ خاموش ہوئے تو اس نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

”کیسے ہو؟“ ابرار نے فارمیٹیٹی بھائی۔

”بے حد اچھا ہوں۔“ شوخی پہ پھانے اک ناگوار نظر ڈالی۔ ”زنی گروپ“ کے ”ماسٹر اینڈ“ کے ذکر کے بعد ازون ار تفضی کی صورت دیکھنا پھا کو ایسا لگا جیسے منہ میں میٹھے بادام کے ساتھ کڑوا بادام آ گیا ہو۔

”یقیناً“ نیکسٹ ٹور کی تیاری کر لی ہوگی؟“ پھا استہزائیہ انداز میں گویا تھے۔ وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں اک دوسرے میں پھنسا ئے ریلیکس انداز میں بیٹھا تھا۔ عاشر نے بے ساختہ پہلو بدلا۔ وہ ہولے سے مسکراتے گویا ہوا۔

”بہت ہو گئی سیاحت۔ میں نے سوچا ہے بھائی کے ساتھ بزنس میں ان کا ہاتھ بٹاؤں۔ کب تک اکیلے محنت کرتے رہیں گے۔“

”یہ تو بہت اچھی خبر ہے۔“ ابرار نے بے ساختہ سراہا۔

”پھلو تمہیں خیال تو آیا۔“ پھا کا لب و لہجہ ہنوز تھا۔ دونوں کہنیاں میز پہ دھرے وہ آگے کو جھک کر بیٹھا ہوا

سروکار نہیں تھا۔ سائل کی طرح ہر بار روپے
تھما دیتے۔ انہیں تنگ کرنے کو میں ٹورسٹ بن گیا کہ
کبھی تو یہ استحقاق سے مجھ سے باز پرس کریں گے۔
میں تو گھر سے دوری یہ بڑے بھائی کی حیثیت سے
چھوٹے بھائی کے کان پھینچیں۔ مگر مجھے حسرت ہی
رہی۔ اس گھڑی پہا کے چلے جانے کا دکھ گہرا ہو گیا۔
اگر وہ ہوتے تو مجھے پیار بھری ڈانٹ سے تو ضرور
نوازتے۔ میری سرگرمیوں کا نوٹس لیتے۔ ان دنوں میں
حد درجہ اشتعال کا شکار تھا۔ اسی اشتعال نے مجھے منفی
سرگرمیوں کی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔ قریب تھا کہ
بھائی کی بے گاہی کی سزا میں خود کو تباہ کر کے دیتا۔ انہی
دنوں سینا بھائی بھی ہمارے گھر دلہن بن کر آگئیں۔ سینا
بھائی نے اک۔ بسن کی طرح مجھے چاہا۔ وہی باتیں وہی
سرزنش جو میں بھائی سے سننے کا تمنائی تھا۔ وہ بھائی
کرنے لگیں۔ میں آپ لوگوں سے ملا۔ لیجھ سے ملا
پھر میں نے تمہے کیا کہ موجودہ روش چھوڑ دو۔ دولت کی
ہوس نے بھائی کو پتھر کا بنا دیا تھا۔ ان سے محبت کی توقع
رکھنا بھی عبث ہے۔ پھر میں نے اپنے دوست کے
ساتھ پارٹنرشپ کی اور ہم نے ایک محدود پیمانے سے
کام شروع کر دیا۔ روپوں کا پرابلم درپیش نہیں رہا کہ
بھائی نے بھی مجھے روپوں کی تنگی نہیں ہونے دی۔
بزنس شروع کرنے کی خبر میں نے کسی کو نہیں دی۔
آج سے پہلے تک مما بھی بے خبر تھیں۔ میں تو گھر
سے غائب بزنس کے لیے ہوتا تھا۔ سیرو تفرق ہو تو کب
کی چھوڑ دی تھی مگر میں نے سابقہ تاثر قائم رکھا ہوا تھا
کہ پرانی روش یہ ہی گامزن ہوں۔ مشکوک رکھنے کی
وجہ وہ آس تھی کہ شاید بھائی کبھی بدل سکیں مگر سب
بے سود ہوا بچپن سے لے کر آج تک میں نے کبھی
بھائی سے بد تمیزی نہیں کی۔ اونچی آواز میں جواب
نہیں دیا۔ پہا کی محبت کا سدا مرکز رہے میں نے
تنگی کا لگہ نہ کیا۔ ہر حق تلفی پہ صبر کیا۔ مجھ سے چیزیں
چھین کر انہیں خوشی ملتی اور مجھے دے کر۔

لیکن سب جانتے ہوئے جب انہوں نے ”میری
زندگی“ مجھ سے چھیننا چاہی تو میرا ضبط جواب دے گیا۔

”ہم سوتیلے بھائی ہیں۔ آپ لوگوں سے یہ حقیقت
چھپائی گئی تھی۔ پہا نے سینڈ میرج کر کے کوئی گناہ
نہیں کیا تھا۔ انہوں نے مما اور مجھ پہ ہمیشہ بھائی کو
فوقیت دی۔ ہم دونوں کو ہمیشہ نصیحت کرتے کہ ہم بھائی
کو کبھی اگتور نہ کریں تاکہ کبھی انہیں احساس نہ ہو کہ
ان کی مما نہیں ہیں۔ میں نے انہیں ہمیشہ سکے بھائی کی
طرح چاہا۔ مما ہر مقام پہ مجھے نظر انداز کر کے بھائی کو
نوازتیں کہ کسی طرح سوتیلی ماں کی چھاپ مٹا سکیں۔
ہماری پر خلوص محبت کا بھائی نے کبھی ریشن نہیں دیا۔
ہمیشہ اپنا دشمن تصور کیا۔ پہا نے بھائی کو بزنس کے
اسرار و رموز سکھائے اور چار سال پہلے ہمیں چھوڑ
گئے۔ تب بھائی کی نفرت کھل کر سامنے آگئی۔ پاور
آف اتارنی بھائی کے ہاتھ میں آگئی۔ مجھے احساس تھا
پہا کے بعد اک دم سے بزنس سنبھالنا بھائی کو تھکا دے
گا۔ تب میں نے بھائی سے کہا تھا میں ان کا بوجھ ہلکا کرنا
چاہتا ہوں اور انہوں نے سلگتے لہجے میں جواب دیا تھا۔
”تم کیا میرا بوجھ ہلکا کرو گے تم اور تمہاری ماں تو اک
مستقل بوجھ ہو جسے بارہ سال کی عمر سے سہہ رہا
ہوں۔“ شدت فم سے میں کچھ کہہ نہ سکا۔ پھر انہوں
نے نخوت سے کہہا تھا۔

”تمہیں جتنے روپوں کی ضرورت ہو تم مجھ سے لے
سکتے ہو مگر پہا کے بزنس کے بارے میں سوچنا بھی
نہیں۔ پہا کی جائیداد پہ صرف میرا حق ہے۔“ پہا کی
وصیت ہمارے لیگل ایڈوائزر کے پاس ہے جس میں
ہم دونوں کو آدھی آدھی جائیداد کا وارث قرار دیا گیا
ہے۔ میں تب بھی بے وقوف نہیں تھا۔ چاہتا تو کورٹ
کے ذریعے آدھی جائیداد کا مطالبہ کر سکتا تھا۔ مگر مجھے
روپوں سے نہیں بھائی سے محبت تھی۔ تیجی میں نے
اپنا لائف انشور بدل لیا۔ ہریادہ ان سے رقم کا مطالبہ
کرنا اور یہ مجھے دے دیتے۔ رقم لیتے مجھے خوشی نہیں
دکھ ہوتا تھا۔ کہ اگر کوئی میرا سگا بھائی ہوتا تو رقم کی
ذیماندگی مجھ سے تفتیش ضرور کرتا کہ میں ان روپوں کا
کیا کرتا ہوں؟ کہیں میں غلط سرگرمیوں میں ملوث تو
نہیں؟ میں بگڑتا ہوں، بھٹکتا ہوں اس سے بھائی کو کوئی

یقیناً اس کا محرک کچھ اور ہوتا ہے۔ لیکن میں یہ بھی جان گیا ہوں دو سروں کے کئے کی سزا خود کو دے کر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ خسارہ ہمارا مقدر ہوتا ہے۔“

”ازی! پلیز بس کرو۔“ عاشق میں کسی سے نظر ملانے کی ہمت نہیں تھی۔ یہاں خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

”میرا مقصد آپ کو شرمندہ کرنا نہیں تھا بھائی۔ بس میں برداشت نہ کر سکا کہ آپ مجھ سے ”میری زندگی“ چھین لیں۔

”مجھے معاف کرو۔“ آواز دھیمی تھی۔ چہرہ شرمندگی سے سرخ ہو رہا تھا۔ عاشق صبح کا بھولا تھا جو شام کو لوٹ کر اپنی غلطی کا اعتراف کر رہا تھا۔ اپنی غلطی پر شرمندہ ہونا ہی بڑی بات ہے نہ کہ آئینہ دیکھ کر بھی اپنی ذات کی خامیوں سے نظریں چرا کر ہم آئینہ کو غلط ٹھہرائیں۔

”مما آپ بھی مجھے معاف کریں۔“ ممّا کے دونوں ہاتھ تھامے عاشق روہانے لہجے میں معافی کا خواستگار تھا۔ ممّا کی آنکھیں بھر آئیں۔ ان کی محبت، ریاضت، محنت نے عاشق کے دل پر رنگ چڑھا ہی دیا تھا۔ ماں تو ماں ہوتی ہے۔ اگلے ہی لمحے عاشق کو خود سے بچنے رو رہی تھیں۔ کوئی کب تک محبت اور خوبی رشتوں سے منہ موڑے رہ سکتا ہے۔

”ازی!“ اب وہ اس کی طرف آیا چیخے پیچھے دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”میں آپ کو ایک شرط میں معاف کروں گا۔“ روڈی لہجے میں گویا بے تاثر نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”پہلے بڑے بھائی کی طرح مجھے گلے لگائیں۔“ سب کے لب مسکرا دیئے تھے۔ عاشق نے گرم جوشی سے اسے گلے لگا لیا۔ ماحول ایک دم سے بدل گیا۔ معافی طلبی کے بعد محبت ان کے بیچ بیشی مسکرا رہی تھی۔ اسی اثناء میں پورچ میں گاڑی آکر رکی۔ سب کی نظریں آنے والے پر اٹھی ہوئی تھیں۔ نووارد کو دیکھ کر انون ار ترضی دو قدم آگے بڑھا اور مصالحتے کو ہاتھ

یہ پا خبر تھے میں لہجہ کے لیے دل میں سو فٹ کا رنر رکھتا ہوں۔ اس کے بلو جود۔“ اک ٹانہ لہجے کو اس کے لب ساکت رہ گئے۔ شدت غم سے نچلا لب داغوں تلے دیا۔ نفی میں سر ہلانے لگا۔ سب دم ساوھے انکشافات سن رہے تھے۔ ماحول یہ گہیر خاموشی طاری تھی۔ جیسے جاو کی چھتری نے انہیں ساکت کر دیا ہو۔

”ممتی نفرت کیوں بھائی؟ صرف دولت کے لیے؟ آپ اک بار کہہ کر تو دیکھتے انون ار ترضی تو صحتی جاسد او کیا اپنا خون بھی آپ کو معاف کر دیتا۔ محبت تو پتھر کا جگر کاٹ دیتی ہے۔ مگر نجانے ہماری محبت میں وہ اثر کیوں نہیں جو آپ کو پگھلاوے۔ اک پتھر کے پکھلنے کے لیے بھی بیچیس سال بہت ہوتے ہیں۔ نجانے آپ کیسے پتھر ہیں کہ ہماری محبت کی لو آپ کے دل کو نہ چھو سکی۔“ وہ نمف سے سر ہلا رہا تھا۔ سب کے دل انون ار ترضی کے لفظوں میں بے جا رہے تھے۔ درد میں ڈوبے لفظ، جگر کو کاٹنے انداز، تشنگی نے احساس دلایا کتنا تنہا اور تنہا کر دیا ہے اس نے انون ار ترضی کو۔ عاشق اس گھڑی پکھل گیا۔ وہ اس سے محبت کرتا تھا۔ استحقاق محبت کا طالب تھا۔ دولت کی اس کی نظریں کوئی وقت نہیں تھی۔ یہ جان کر وہ اپنی ہی نظریں میں بہت جھوٹا ہو گیا تھا۔

”نکل بزنس کی بات میں نے آپ کو چیک کرنے کے لیے کی تھی۔ میں انل سے آپ کی محبت کا طالب رہا ہوں۔ دولت کا نہیں۔ ایڈوکیٹ انکل سے میں نے پہلے ہی بات کر لی تھی۔ چند اک روز میں آپ کو نئی وصیت مل جائے گی۔ جس میں میں نے اپنے حق سے دست برداری کا اعلان کر دیا ہے۔“ وہ کمال سکون سے گویا تھا۔ بھیگی تاسف بھری نظریں عاشق پر گڑی تھیں۔ اب اس کا رخ بیباکی طرف ہو گیا۔

”انکل مجھے بزنس سے نفرت ہے نہ بزنس میں سے۔ میں ان لوگوں سے خائف رہتا ہوں جن کی نظریں خونی رشتوں، محبت کی نہیں دولت کی اہمیت ہے۔ ہم لوگ خود کو دلتے ہیں اپنی صلاحیتوں کو استعمال نہیں کرتے تو

انہوں نے ار تفضی تھا۔ جو راز فاش ہو جانے پر خفیف سا ہو کر پیشانی پر انگلی پھیرنے لگا۔ اک پل کو تو سب ہی شاکندہ گئے۔

”رنگی؟“ عاشر خوشی آمیز تھیرے استفسار کر رہا تھا۔

”انہوں نے زاور“ زلی گروپ آف انڈسٹریز“ زاور شوخی سے گویا تھا۔ ہیجیت فرزندہ اندر کی ٹینشن سے آشنا تھا۔

”مجھے بہت فخر ہو رہا ہے تم پر۔“ عاشر نے اسے ساتھ لگا لیا۔

”مجھے تم پہلے ہی مشکوک لگتے تھے۔ تم وہ نہیں ہو جو نظر آتے ہو بلکہ وہ ہو جو نظر نہیں آتے۔“ ابرار نے اس کے شانے پر زور دار دھپ رسید کی۔ وہ مسکرا دیا۔

”کبھی کبھی کسی کو پہچاننے میں ہماری نظر دھوکا کھا جاتی ہے۔“ بیہ فراخ دلی سے قبول کر رہے تھے۔ کوئلے

کی کان میں موجود ہیرے کی چمک ماند ضرور پہنچاتی ہے لیکن جب اس پر بڑی گرد صاف ہوتی ہے تو اس کی صوفشیں ہر نگاہ کو خیرہ کر دیتی ہے۔ انہوں نے ار تفضی بھی ایسا ہی ہیرا تھا جس نے اپنی گرد صاف کر کے خود کو پالاش کیا تھا۔ اور آج اس کی صوفشانی سے ہر دل منور ہو گیا تھا۔

”چیرو! اتنا کچھ چھپانے کی کیا ضرورت تھی؟“ عاشر کی پرسشانی کا دوسرا رخ نظر انداز کرتی سینا اس کے کان پہنچ رہی تھی۔ اس انکشاف نے اسے بھی مسرت دی۔

”کاش! کہ یہ محاذ تم نے پہلے مسکر لیا ہوتا تو آج“ دوسرا محاذ“ بھی جیت چکے ہوتے۔“ وہ سینا کی بات کا مضموم سمجھ گیا تھا۔

”بنیت لوں گا بھابھی! اپنے اندر اسپرٹ بہت ہے۔“ اس کی شوخی پر سینا نے اس کے گال پر چپٹ لگائی۔ اس کی ساحر آنکھیں“ دوسرے محاذ“ کو سوچ رہی تھیں۔



ماہ رمضان شروع ہو گیا تھا۔ معمولات زندگی میں

پہنچایا۔

”عجب گھٹیا انسان ہے تو۔ تجھے کہا بھی تھا آج ہماری میٹنگ ضروری ہے۔ سنہ تو آیا نہ ہی موبائل آن رکھا ہوا ہے۔“ نووارد حلقی سے کھینچائی کر رہا تھا۔

”سوری یار بھول گیا۔ موبائل چارج پر لگا ہوا ہے سو۔“ بے چارگی سے شانے اچکاتے اس کے شانے پر اک گھونر رسید کرتے نووارد کی نظریں باقی لوگوں پر پڑیں تو ان کی طرف آیا۔

”اسلام علیکم انگل۔“ آنے والے نے یہاں سے گرجوخی سے مصافحہ کیا۔

”سوری چمک مین میں نے تمہیں پہچانا نہیں۔“

”آپ بزنس کی دنیا کے گاؤں قاور ہیں انگل مجھے کہاں پہچانیں گے۔“ وہ زاور تھا۔ انہوں نے کافرینڈ۔ گھر کافی آنا جانا تھا اس کا۔ عاشر اور سینا بھی اس سے متعارف تھے۔

”یہاں کچھ دیر پہلے آپ“ زلی گروپ آف انڈسٹریز“ کے آزر سے ملنے کے خواہشمند تھے نا؟ اگر میں غلط نہیں ہوں تو آپ ہی“ زلی گروپ آف انڈسٹریز“ کے آزر ہیں؟“ ابرار کی یادداشت بڑی غضب کی تھی۔ وہ ہولے سے مسکرا دیا۔

”کچھ دیر قبل ہم تمہاری ہی باتیں کر رہے تھے۔ بہت کم وقت میں تم نے خود کو منوایا ہے۔ یقیناً اس کے پیچھے تمہاری انتھک محنت اور کاوشوں کا بڑا عمل دخل ہو گا۔ مجھے بے حد خوشی ہوتی ہے تم جیسے باصلاحیت نوجوانوں سے مل کر۔ اپنے معیاروں کو میں تم جیسا ہی دیکھنے کا تمننا کرتا ہوں۔“

”آپ کے تمام کمنٹ میں کبھی نہیں بھولوں گا۔ تعریفی کمنٹ ہمارے لیے ازجگہ ہوتے ہیں لیکن آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ شاعر نے کہا ہے نا۔

سر آئینہ میرا عکس ہے پس آئینہ کوئی اور ہے تو ہمارے ساتھ بھی کچھ ایسی ہے۔ لوگوں کے سامنے بے شک میں ہوں۔ کام کرنے والے ہاتھ میرے ہیں مگر جو یہ کام کروا رہا ہے وہ“ ماسٹرمانڈ“ یہ ہے۔ زاور سامنے سے ہٹ گیا۔ اس کے عین پیچھے

تغیر رونما ہو چکا تھا۔ مساجد و عبادت گاہوں میں رونق برہہ لگی تھی۔ سحر و انظار کی تیاری میں باچل اچھی لگتی۔ اس وقت رات کے آٹھ بج رہے تھے۔

”ہیلو آئی ایم ازون ار تفضی۔ میں مسٹر ہادی اذکار سے بات کر سکتا ہوں۔“

”جی میں بات کر رہا ہوں۔“

”مسٹر ہادی میں آپ سے ابھی اور اسی وقت ملنا چاہتا ہوں۔“

”پہلے آپ اپنا مکمل انٹروڈکشن تو کرائیں۔“

”میری فارملیشنز بھانوں گا لیکن فیس ٹوفیس۔“

”کوئی ریفرنس؟“

”ہماری میٹنگ پر سئل ہوگی۔“

”پر سئل۔“ اک لحظے کو ایر پیں پہ خاموشی طاری رہی۔

”اوکے۔“ وہ راضی ہو گیا۔

”جگہ اور وقت طے کر کے اس نے موبائل آف کر دیا۔“

تھوڑی دیر بعد وہ اک دوسرے کے مقابل تھے۔ گرے جینز، بلیک شرٹ اور گرے جیکٹ میں شاندار پرسنالٹی والے شخص کو اپنی میز پر آتے دیکھ کر ہادی اذکار اٹھ کھڑا ہوا۔ بلیک اسٹائش پر فٹڈ شرٹ پہ پلیمک جینز پہنے ہادی اذکار کو اس نے نظروں ہی نظروں میں سربا۔

”ہیلو! آئی ایم ازون ار تفضی۔“ اس نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ ہادی نے بھی ہاتھ بڑھایا۔

”ابھی میں یہی سوچ رہا تھا میں آپ کو پہچانوں گا کیسے؟ پھر خیال آیا کہ جب میرا نام جانتے ہیں طے کے خواہشمند ہیں تو یقیناً پہچاننے کا فریضہ بھی آپ ہی انجام دیں گے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے ہادی اذکار کو بغور دیکھا۔

”کیا ہم پہلے بھی مل چکے ہیں؟“ استفسار ہوا۔ اس نے نشی میں سر ہلایا۔

”یہ ہماری پہلی باضابطہ ملاقات ہے۔ میں نے آپ کی انگلی جمنٹ میں آپ کو دیکھا تھا۔“

”کیا یس گے آپ؟“

”جو میزبان چاہے۔“

”لوکے۔“ آؤڈر کر کے وہ پھر اک دوسرے کی طرف متوجہ ہوئے۔

”میں منتظر ہوں۔“

”آپ کی انگلی جمنٹ ہو چکی ہے؟“

”بفضل خدا۔“

”پیار کرتے ہیں اپنی منگیتر سے؟“ پہلی ملاقات میں اتنا پرسئل اور بولڈ سوال۔ ہادی اذکار تھیر سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”انگلی جمنٹ ہوئے چند ماہ ہوئے ہیں۔ پیار بھی ہو ہی جائے گا۔ فی الحال تو کمٹ منٹ ہے۔“

”جب آپ پیار نہیں کرتے تو انگلی جمنٹ کیسے کریں؟ انگلی جمنٹ اپنے پیار سے ہی اچھی لگتی ہے۔ باقی رہی کمٹ منٹ تو کمٹ منٹ کی دو کٹیگوری ہوتی ہیں۔ نمبرون کٹیگوری کو مادی اور نمبرون کٹیگوری کو دلی کہتے ہیں۔ مادی چیزوں سے جب ہم کسی کو اپنا پابند کرتے ہیں تو یہ مادی کمٹ منٹ کہلاتی ہے۔ کسی کے دل میں پیار جگا کر جب کسی کی زندگی بن چکے ہیں کوئی ہر دم ہمیں چاہتا ہے تو یہ دلی کمٹ منٹ کہلاتی ہے۔ آپ نے کون سی کمٹ منٹ کی ہے؟“ گہرے تجزیے پہ اس نے ازون ار تفضی کو توصیفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”مادی اور آپ نے غالباً دلی؟“ استفسار پہ نظریں اس کی ساحر آنکھوں میں گڑی تھیں۔ وہ دلکشی سے مسکرا دیا۔

”ہوں۔“ ساتھ ہی سر مخصوص انداز میں اثبات میں ہلایا۔

”ہلیجہ میری منگیتر ہے یہ جانتے ہوئے بھی آپ کا دھڑلے سے اقرار مجھے اچھا لگا۔ بریو اینڈ بولڈ پرسنالٹی ہے آپ کی۔“

”آئیس ہیسٹ کیپلیمنٹ فاری۔“ اس کی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔ ان کا آؤڈر سرو ہو چکا تھا۔ چند ثانیے خاموشی رہی۔

”خیالات اچھے ہو سکتے ہیں اگر جو آپ رقیب کی لٹ سے نکل جائیں۔“ اسٹیٹ فلاور بندہ تھا لگی لپٹی نہ رکھی۔

”بدلے میں آپ کوئی ڈیمانڈ کرنا چاہتے ہیں۔ شرائط پیش کرنا چاہتے ہیں تو مجھے وہ بھی منظور ہوگا۔“ اب وہ اپنے لیے نوڈلز نکال رہا تھا۔

”اور اگر میں دستبردار ہونے کے بعد تمہیں انعام دینا چاہوں تو۔“ وہ مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”کیا مطلب؟“ باؤل میز پر رکھ کر استغاب بھری نظریں اس پر مرکوز کر دیں۔ گلاس میز پر رکھے وہ گویا ہوا۔

”تم نے بجا فرمایا تھا دوست انجی جمنٹ اپنے پیار سے اچھی لگتی ہے۔ میرا پیار کوئی اور ہے۔ ہلیجی، تمہا کی پسند ہے۔ فیضا میری فرسٹ کزن ہے۔ میرا پیار۔ ہمارے بیچ وہی پیکل پرائیم ہے امیری، غریبی۔ ماما نے فورس کر کے انجی جمنٹ کرائی۔ میں نے ہاں اس شرط پر کہا تھا کہ سیکنڈ میں فیضا سے ہوگی۔ گوکہ ہلیجی کے ساتھ زیادتی ہوتی۔ میں کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھا اور قدرت نے — فراہم کر دیا۔ تم نے ایک ٹینشن سے میری جان چھڑائی۔ اب بولو کیا انعام لو گے؟“

”انٹرٹیننگ۔“ وہ محظوظ ہوا۔

”رقیب کی نسبت سے میں کافی برے خیالات ساتھ لایا تھا مگر تم واقعی بہت اچھے ہو۔ اگر میری کوئی سالی ہوئی تو میں تمہیں ہم زلف ضرور بتاتا۔ خلشیں رہے گی تم سے کوئی رشتہ نہ جوڑ سکا۔“ ازون ار تفضی اور ہادی اذکار، دو بے حد زبردست بندے ایک دوسرے کے لیے مخلص تھے۔

”تمہاری خلشیں میں دور کر سکتا ہوں۔ بشرطیکہ تم انٹرٹینڈ ہو۔“

”کیسے؟“

”چاہو تو میری ہونے والی بیوی کو بسن بنا لو اس نیت سے تم میرے سالے بن سکتے ہو۔ لیکن تم جیسے

”آپ کی باتوں کے پس منظر میں میں نے اک ہیڈ لائن بنائی ہے۔ سناؤں؟“ کافی کے مکپہ انگلی پھیرتے گویا تھا۔

”دھیور۔“ کھلس چلی کھچپ میں ڈپ کر کے منہ میں ڈالتے ہوئے اس نے اشتیاق ظاہر کیا۔

”آپ ہلیجی میں انٹرٹینڈ ہیں۔ شاید ہلیجی بھی۔ کسی کراٹس کے باعث آپ لیٹ ہو گئے اور یوں میری انٹری ہو گئی۔“ کافی میں شوگر مکس کرتے ہوئے وہ اس کے بیچ اندازے لگانے پر بے ساختہ ہنس دیا۔

”آپ کافی سے زیادہ انٹیلیجنٹ ہیں۔“

”آپ کا کمپلیکشن ماشاء اللہ کافی فینو ہے۔ چاہوں بھی تو آپ کو ”رقیب روسیاد“ نہیں کہہ سکتا۔ آپ کو زحمت دینے کا مقصد ساری پچویشن آپ کے نوٹس میں لانا تھا۔ اب جب آپ سب جان چکے ہیں، سارے پوائنٹ سے باخبر ہیں۔ منگیتر سے کوئی دلی وابستگی بھی نہیں ہے تو آپ ہم دونوں کے بیچ سے ہٹ کر ہمیں ایک ہونے کا موقع فراہم کریں تاکہ ہم آپ کے شکر گزار رہیں۔“ بات کے اختتام میں اس نے کافی کاسپ لیا۔

”ورنہ؟“ ہادی اذکار نوڈلز مہارت سے فورک پر پرو رہا تھا۔

”ورنہ۔“ اس نے ارد گرد نظریں دوڑاتے مک میز پر رکھ دیا۔

”ہو سکتا ہے۔ جو فورک آپ کے ہاتھ میں ہے اس سے آپ کی آنکھیں نکال دوں۔ یہاں سے نکلتے ہی — آپ کو حادثہ بھی پیش آ سکتا ہے۔ آپ خدا نخواستہ معذور بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی نہ ہوا تو عین شاوی والے روز آپ کٹھنپ بھی ہو سکتے ہیں۔ بارات نہ آنے کے باعث عزت کا خیال کرتے میرے دلہا بننے کے چانس بھی بن سکتے ہیں۔“ وہ گویا تھا اور ہادی اذکار ہنستے ہوئے پانی کی تلاش میں نظر دوڑا رہا تھا۔ اس نے گلاس بھر کر اس کی طرف بڑھایا۔

”تمہیں برے خیالات ہیں میرے بارے میں؟“ اس نے مزالیا۔

فیضانِ گندے کے لیے سالے کا رشتہ کچھ نامعقول لگ رہا ہے۔ ”ان دن ار تفضی کی ہنسی ساختہ اور بھرپور تھی۔ اس نے بھی ساتھ دیا۔“

”آئیڈیا برا نہیں۔ سوچا جاسکتا ہے۔“
”عمل کر ڈالو کیونکہ میں تم سے ملنے کا خواہشمند رہوں گا۔“

”تم ملنا چاہو یا نہ چاہو میں پھر بھی تم سے کبھی کبھی ضرور ملوں گا۔“ ہادی کے لہجے میں پیار بھری دھونس تھی۔

”اٹس ہیلڈر فاری۔ تم جیسے اچھے دوست یونی نہیں ملتے۔ چلیں۔“ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔
”ازی! تم پہلے نکلو۔“ وہ اپنی گاڑی میں براجمان تھا۔

”ساتھ چلتے ہیں۔“ اس نے اپنی گاڑی اس کے ساتھ کھڑی کی۔

”ہیں۔ میرا ایکسپلنٹ کروانے کا کوئی موڈ نہیں ہے۔“ وہ شوخی سے بولا تھا۔ اور پھر دونوں کا تقہرہ گونج اٹھا۔



تم ملنے نہیں آتے

مجھے بھی بہت کام ہے

کانٹیکٹ تک نہیں کرتے

میرا فون بھی خراب ہے

تمہیں ہے دوستوں سے ملنے جانا

میری شام بھی کسی کے نام ہے

تمہیں بلورنگ ہیں اب بھی بھاتے

سو مجھ پہ اب حرام ہے

رہ توڑنا ہے توڑ بھی دو

مجھ کو چھوڑنا ہے چھوڑ بھی دو

کوئی استفسار نہ تم سے کروں گی

وعدے تمہیں نہ یاد دلاؤں گی

سنو!

تم ہونا بہت ہو

ہم کو بھی اپنا کا زعم ہے
ترک تعلق کرنے کے باوجود بھی نگاہیں کسی کی دید
کی تمنائی ہوتی ہیں۔ ساعین کسی دلربا صدا کی منتظر
رہتی ہیں۔ بے اختیاری ظاہر کرتی ہے کہ دل میں
رہنے والا نقش گہرا ہے اور اسے مٹانا آسان نہیں۔

رمضان المبارک کا دوسرا عشرہ چل رہا تھا۔ عید
قریب آرہی تھی۔ سوشائنگ سینٹرز اور ٹیلرز کی دکانوں
پر رش دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے
شہر کی پوری آبادی اک جگہ جمع ہوئی ہو۔ ہلچل جہاں دن
کی مصروفیت بھی بڑھ گئی تھی۔ عید کے بعد چونکہ
شاہیوں کا سیزن ہوتا ہے۔ سو آج کل وہ پرائیڈل
ڈریسز کے ڈیزائنز، ایمبرائیڈی، کلر کمبائنیشن میں
بے حد مصروف تھی۔ عبادات و کام دونوں ہو رہے
تھے۔ بظاہر سب کچھ ٹھیک تھا مگر کہیں کچھ کی تھی۔

اک تشنگی تھی۔ جو بڑھے جارہی تھی۔ دل ہر دم اک
ہی نام کا ورد کرتا رہتا تھا۔ انجیجمنٹ کے بعد عموماً
شب و روز بدل جاتے ہیں۔ منگیتر کے ساتھ اونٹنگ
ہوٹلنگ فون پر رابطہ رہتا ہے۔ شروع میں ہادی اذکار
نے ڈنر کی آفر کی تھی۔ جواب میں اس نے انکار کر دیا
تھا۔ اک بار اس نے کل بھی کی۔ گوکہ دونوں کا انداز

فارمیٹ بھی بھانسنے والا ہوتا تھا۔ سو کوئی دلی وابستگی نہ
ہو سکی۔ رنگ تو وہ اسی رات اتار چکی تھی۔ اپنی جگہ
بنانے کی نہ ہادی نے کوشش کی نہ اس نے بلکہ اس
کے رابطہ نہ کرنے۔ وہ اس کی شکر گزار تھی۔ اسے
منافقت کرنا نہیں آتا تھا۔ نہ وہ کرنا چاہتی تھی۔

رمضان المبارک کے دن تھے اور اسے پچھلے سال کے
شب و روز یاد آرہے تھے۔ ان دن ار تفضی روز سحری پہ
اسے کل کر کے اٹھاتا تھا۔ وہ ”اٹھ گئی ہوں۔“ کہہ کر
پھر سو جاتی تھی۔ نجانے کیسے اسے خبر ہو جاتی تھی کہ وہ
سو گئی ہے۔ تب وہ دوبارہ کل کرتا تھا۔

”لڑکی! اٹھ جاؤ سحری کا وقت ختم ہونے میں ہیں
منٹ باقی ہیں۔“

”جب دس منٹ باقی رہیں تب فون کر دینا۔“ وہ
شان سے مہمتی اور وہ اس کی ڈھٹائی پہ تاسف سے کہتا۔

”جب دس منٹ باقی رہیں تب فون کر دینا۔“ وہ
شان سے مہمتی اور وہ اس کی ڈھٹائی پہ تاسف سے کہتا۔

”جب دس منٹ باقی رہیں تب فون کر دینا۔“ وہ
شان سے مہمتی اور وہ اس کی ڈھٹائی پہ تاسف سے کہتا۔

”جب دس منٹ باقی رہیں تب فون کر دینا۔“ وہ
شان سے مہمتی اور وہ اس کی ڈھٹائی پہ تاسف سے کہتا۔

”جب دس منٹ باقی رہیں تب فون کر دینا۔“ وہ
شان سے مہمتی اور وہ اس کی ڈھٹائی پہ تاسف سے کہتا۔

”جب دس منٹ باقی رہیں تب فون کر دینا۔“ وہ
شان سے مہمتی اور وہ اس کی ڈھٹائی پہ تاسف سے کہتا۔

”جب دس منٹ باقی رہیں تب فون کر دینا۔“ وہ
شان سے مہمتی اور وہ اس کی ڈھٹائی پہ تاسف سے کہتا۔

رہنے دیں۔ رہی لا تعلقی کی بات تو کچھ تو انہیں بھی ہماری اہمیت کا اندازہ ہو۔ ”سینا چپٹ لگا کر چاچکی تھی۔ اس کے مانٹر کی اسکرین پر ہلیجہا کی منسکراتی تصویر محفوظ تھی اسکرین پر ہاتھ پھیرتے وہ اس سے ہمکلام تھا۔

”زندگی! جانتا ہوں ہجر کے یہ پل یہ ساعتیں میری طرح تم پہ بھی گراں گزار رہی ہوں گی۔ بس کچھ دنوں کی بات ہے۔ پہلے تمہیں اپنے نام کی رنگ پستانوں پھر جلد ہی ایسا پکا کام کروں گا کہ دوری کا شائبہ بھی نہ رہے گا۔“



ستائیسویں کی پابریکت رات اپنے دامن میں بے شمار فضیلتوں کو سمیٹے ہر سال آتی ہے۔ بے مراد حاجت مند سخی گدا۔ اس رات اللہ اپنے ہر بندے کی دعا قبول کرتا ہے۔ بشرطیکہ نیت نیک ہو۔ لبوں پہ اثر اور دل میں تڑپ ہو۔ جو مانگا ہو صدق دل سے تمام دوسو نکال کر مانگا ہو۔ وہ تو ازل سے پھیلی جھولی بھرتا آیا ہے۔ اس کی بارگاہ میں کس چیز کی کمی ہے۔ جو دان کرنے سے ہچکچائے۔ انتیسواں روزہ تھا۔ حسب روایت یہاں اس بار بھی افطار پارٹی کا اہتمام کیا تھا۔ گھر کے خوبصورت لان میں سب ہی موجود تھے۔ ہلیجہا ہارون تھوڑی دیر کو اس ہنگامے کا حصہ بنی پھر اس کا دل نہ لگا۔ بچن میں اکیلے روزہ افطار کر کے نماز مغرب ادا کر رہی تھی۔

”کیجیو! یہ ڈریس چھینج کر لو۔ یونیٹن نیچے ہے تمہیں تیار کرے گی۔“ وہ جائے نماز لپیٹ رہی تھی جب سینا دو تین ڈبے اٹھائے بیڈ روم میں داخل ہوئی۔

”ڈریس تیاری۔ کیا مطلب؟“ وہ متوجہ تھی۔
 ”بھئی تمہاری عیدی آئی ہے سسرال سے۔ وہ لوگ بھند ہیں کہ تمہاری کچھ تصویریں بنوائیں گے۔“ سینا اپنا رول بڑی اچھی طرح نبھا رہی تھی۔
 ”ایسا کوئی پروگرام تو نہیں تھا۔“ وہ ”سسرال“ کا

”کس لڑکی سے چار کر بیٹھا ہوں۔“
 ”کوئی دوسری دیکھ لو۔“ وہ چڑائی اور وہ ٹھنڈی سانس بھر کے رہ جاتا۔

اور اب سحری کے وقت اس کے کان غنظر رہتے تھے کہ شاید وہ کال کرے۔ شاید ملے آجائے اس کی خاموشی اسے اندر سے منتشر کر رہی تھی۔ وقت نے جیسے اسے تھکا دیا تھا۔



ہلوی اذکار کے گھر سے معذرت کے ساتھ رنگ واپس بھیج دیا گیا تھا۔ یہاں اور ابرار کے لیے اچھے کی بات تھی۔ ان دنوں ار تھنی، عاشر، سمینا کو اعتماد میں لے کر پہلے ہی حقیقت سے باخبر کر چکا تھا۔ وہ دونوں آئے بیٹھے تھے اور یہاں کو کنوٹس کرنے کی پوری سی کوشش کر رہے تھے۔

ان دنوں ار تھنی کی ”مسٹری پر سائنٹی“ بھی یہاں کھل چکی تھی۔ سب سے بڑھ کر ہلیجہا ہارون کی دلگرفتگی ان کی نظر میں تھی۔ باپ کی حیثیت سے بیٹی کی خوشیوں کے لیے ہاں کر دی۔ ساتھ ہی طے کیا کہ انتیسویں روزے میں افطار پارٹی کا اہتمام کیا جائے گا ساتھ ہی منگنی کا فریضہ بھی انجام پائے گا۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ ان دنوں ار تھنی ان دنوں ہواؤں میں اڑ رہا تھا۔

”بھابھی کیا ہی اچھا ہوتا جو آپ منگنی کے بجائے نکاح کا پروگرام بھی طے کر آتیں۔“

”زیادہ تیز رفتاری نہ دکھاؤ۔ خود تو محترم کا خوشی سے برا حال ہے اور میری انکوٹی، بن کا ذرا خیال نہیں۔ سر پرانز کہہ کر سب کو پابند کر دیا ہے۔ خود بھی لا تعلقی برقرار رکھے ہوئے ہو۔ کتنی دلگرفتہ نظر آ رہی ہے وہ ان دنوں۔ کم سے کم اسے یہ تو بتانے دو کہ وہ اب ہادی کی منگیتر نہیں رہی۔“ سینا اس کی کلاس لے رہی تھی۔

”رمضان المبارک کا آخری عشرہ چل رہا ہے بس کچھ دنوں ہی کی تو بات ہے۔ آپ پلیر اسے بے خبری

”انہوں نے ساتھ ہی کہا گیا ہے کہ ”ڈھیروں گجروں سے لپٹ کر حسین تر لگتی ہے۔“ یونیشن کو مزید گھرے پکڑاتے سینا معنی خیزی سے گویا تھی۔ ہاتھوں بالوں میں ڈھیروں گھرے لگائے اس پر انھی نگاہ پلٹنا بھول گئی تھی۔ اسے باہر لانے کا اڈد جاری ہو چکا تھا۔ ”آئی! یہ عیدی کم اور یارات کی تیاری زیادہ لگ رہی ہے۔“ وہ جھنجھلا رہی تھی۔

”اک پتھ دو کلج۔ اچھا ہے نا تمہاری ریکش بھی ہو جائے گی۔“ کزن کی شوخی پر وہ لب بھیج گئی۔ کزنز کے جھرمٹ میں اس کا رخ لان کی طرف تھا۔ ارد گرد موجود کزنز بلکہ منہجی میں گمن قبضے لگا رہی تھیں اور اس کا دل چاہ رہا تھا۔ خود کو ان تمام لوازمات سے آزاد کر کے صحرا میں نکل جائے۔ یہ شور، ہنسی، قبضے اعصاب چٹخا رہے تھے۔ دل کا موسم اچھا ہو تو ہر رنگ کھلا نظر آتا ہے یہی تیاری ابھی ”کسی اور“ کے لیے ہوتی تو وہ خود کو بے حد ہلکا محسوس کرتی جبکہ جسم پر موجود بیش قیمت لنگا سوٹ اسے آہنی لگ رہا تھا۔ سب کے قدم لان کے وسط میں جا کر رک گئے۔ دائیں بائیں لان مہمانوں سے بھرا رہا تھا۔ سامنے سے لڑکوں کا جھرمٹ ان کے قریب آکر رک گیا۔ اس کی سکس سینس نے بڑے زور کا الارم بجایا۔ مخصوص کلون کی خوشبو نے اسے بے چین کر دیا۔ کزنز ویڈیو کیمرہ اور فوٹو گرافی کے فن کا مظاہرہ شروع کر چکے تھے۔ جھکتے ہوئے اس نے جھکی ٹولیں اٹھالی تھیں۔ ہاوی اوزکار مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔ بل بھر کی سوچ اس پر ہنس رہی تھی۔ سرسری نظر میں اس نے تمام لڑکوں کا جائزہ لیا اور نگاہیں ہاوی اوزکار کے بائیں پسلو میں موجود دایاں ہاتھ سینے پر پھیلائے بائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی لبوں پر رکھے سرشار نظروں سے اپنی طرف دیکھتے اڑون ار تھنی کو نیم والوں سے دیکھ رہی تھی۔ دل پر بے زور سے دھڑکا تھا۔ آنکھیں ساکت رہ گئی تھیں۔ وہ کچھ سمجھ بھی نہ پائی سینا نے رنگ نکال کر اڑون ار تھنی کو تھمایا۔

”سربراہ! سب نے تان لگائی۔ اڑون ار تھنی دو

سن کر ہی کوفت کا شکار ہو گئی۔
”اب دین گیا ہے۔ ورنہ کرو۔“ وہ ہلانے لگی۔
”عشاء کی نماز ادا کر لی ہے۔“ اس کا موڈ نہیں بن رہا تھا۔

”صرف ایک گھنٹے کی تو بات ہے۔ عیدی کی شاپنگ تمہارے مستقبل کے ”انہوں نے کی ہے۔ ذرا سوچو کسی بے چارے“ کا دل بھی ٹوٹ سکتا ہے۔“ وہ بھیجے لب کے ساتھ اسے سن رہی تھی۔ ضبط کرتے کرتے تنگ آ گئی تھی۔ جبر کی بھی اک حد ہوتی ہے۔ بناوٹی مسکراہٹ تھکانے لگی تھی۔ دل چاہا تمام چیزیں اٹھا کر باہر پھینک دے۔ لیکن جس کے لیے تڑپ رہی تھی وہ تو چپ سا رہے بیٹھا تھا ”تم روٹھے ہم چھوٹے“ کے مصلحتی یقینا کسی ملک کی سیاحت میں غرق ہو گا۔ یہ اس کا ذاتی خیال تھا۔ بے دلی سے ڈیہ کھولا۔ اس کی نظریں ساکت رہ گئیں۔ لائٹ پٹنگ فکر کا بے حد دیدہ زیب لنگا سوٹ تھا۔ ساعت میں اڑون ار تھنی کے جملے گونج رہے تھے۔

”جس دن ہماری منگنی ہو نا اس دن تم لائٹ پٹنگ لنگا پٹنگ۔ تم پر ہر رنگ اچھا لگتا ہے۔ مگر جب تم لائٹ پٹنگ فکر پہنتی ہو تو تم پر انھی میری نگاہیں پلٹنے سے انکار کر دیتی ہیں۔ ساحر آنکھیں میری ہیں مگر ان گھڑیوں میں جاؤ تم کر رہی ہوتی ہو۔“ سر جھٹک کر اس نے اس صدا سے پیچھا چھڑایا۔ یہ چنگ سینڈل، چوڑیاں، جیولری دیکھ کر اس نے سر تھام لیا۔

”وہ بندوں کی پسند اس حد تک میچ کر سکتی ہے؟“ دل میں اٹھتے درد کو دباتی وہ واش روم میں داخل ہو گئی۔ ماہر یونیشن نے قلیل وقت میں بڑی تیزی سے اس کے تھکے روپ کو مزید تھکھا کیا تھا۔ سینا کے ساتھ ساری کزنز اندر داخل ہو چکی تھیں۔

”اتنی حسین تو تم بھی نہیں لگیں۔ یہ رنگ تو جیسے بنا ہی تمہارے لیے ہے۔ مانتا ہوں گا۔ کسی نے دل سے شاپنگ کی ہے۔“ سینا نظر اتارتی نظروں سے گویا تھی۔

”دنا! یہ مزید گھرے بھجوائے ہیں اس کے

کچھ کچھ دیر پہلے ہوا اگر وہ نہ ہو تا تو یقیناً اسے بھی چاند کے نکلنے نہ نکلنے سے دلچسپی ہوتی۔ ابھی تو صرف ایک ہی سوال ٹنک کر رہا تھا۔
”یہ سب کیسے ہوا؟“

”چاند کو چاند ڈھونڈنے کی ضرورت کیوں پیش آگئی؟“ اس نے آتے ہی بے ساختہ گھنگو کا آغاز کیا۔ منڈیر سے پشت نکالے دونوں ہتھیلیاں منڈیر پر رکھے پر شوق نظروں سے اس کے سر اے کا جائزہ لے رہا تھا۔ تین تین سی بے حد اچھی لگ رہی تھی۔

”تھوڑی دیر پہلے تم نے کون سا ڈرامہ پلے کیا نیچے؟ کیا ہے یہ سب؟“

”لائٹ پنک لنگے سوٹ میں ڈھیروں گجروں میں لپٹی تم اتنی حسین لگ رہی ہو کہ اس وقت رو میں تنک ہونے کے علاوہ مجھے کچھ اور سوچ نہیں رہا ہے۔ سحر انگیز رات اور تھائی میں کیا گزری باتوں کو دھرا میں کو تو حکایت دل سناؤں؟“ وہ شریر انداز پر غصبتاک نظروں سے گھورنے لگی۔ اسے پر سکون کرنے کو وہ ہر حقیقت سے پرہیز کرتا چلا گیا۔

”بھائی کی بے حسی“ لا تعلقی کا بدلہ میں خود سے لے رہا تھا شاید میں خود کو مکمل تباہ کر لیتا۔ پہلی بار جب میں تم سے ملا تو میرے نظریے میں تبدیلی واضح ہونا شروع ہو گئی۔ انہی دنوں میں نے اپنے لیے۔ اپنے کیرئیر کے لیے سوچنا شروع کیا۔ آئے نوڈٹ کوئی بھی پیرنس ٹٹ پونجے دلدو کو ایکسپٹ نہیں کرتے میں نے اسٹرگل کی خود کو منوایا۔ تمہارے لیے میں یہ غلطی کی کہ میں نے برانا تاثر زائل نہ کیا۔ جس کے باعث ہادی بیچ میں آگیا۔ بھائی کو غلطی کا احساس ہوا تب میں نے جانا کہ بعض اوقات خاموشی سب سے بڑی برائی ہے۔ اگر میں پہلے ہی اپنی چپ توڑ کر بھائی کو زیادتی کا احساس دلاتا تو شاید وہ نہ ہوتا جو ہوا۔ خونی رشتوں سے محبت مانگنا کوئی بری بات نہیں۔ اپنے ہونے کا احساس دلاتے رہنا چاہئے۔ پھر میں ہادی سے ملا وہ مجھے دعا میں دیتے نہیں ٹھک رہا ہے کہ تم سے جان چھوٹی۔“ وہ سنجیدگی سے کہتے پڑی سے اتر گیا۔ قائل آنکھیں

اٹکے آیا۔ ہٹا پلکیں جھپکے وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ انٹنس کرتے شلوار میں ہم رنگ مفلر ڈالے وہ مکمل لگ رہا تھا۔ کمال جرات سے بائیں ہاتھ کی انگلی اٹھائی تھی اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ ”ہیٹا“ اپنے حواسوں میں نہ رہی تھی۔ یہ پجوشن کا حد شاکنگ تھا۔ تھیر بھرا روپ بے حد اچھا لگ رہا تھا۔ ہم والیوں پر مسکراتی نظر ڈال کر بائیں ہاتھ کی انگلی میں رنگ ڈالتے ہوئے ہولے سے

”کہا تھا تمہاری اس انگلی میں صرف میرے نام کی لک جھللائے گی۔“ اپنے قول کی تکمیل پر وہ سرشار لہری سے ہوا ڈال کر اس نے ہاتھ پھوڑ دیا۔ ہوں کی گونج پر اچھٹے سے اپنی انگلی پر نظر ڈالی جہاں ہٹا ٹنڈ کی رنگ اپنی ضو فشانی پر نازاں تھی۔ سینا لے رنگ اسے تھمایا۔ رنگ ہاتھوں میں تھا اسے وہ قوت متعجب تھی۔ وہ ہاتھ پھیلائے فٹھر تھا۔

”کب سے کھڑے ہیں راہوں میں“ نظر کرم لہرا۔“ دیر پر ہادی کے ساتھ لڑکوں نے صدا لگانا شروع کر دی۔ اس نے خاموشی سے اپنے گرد موجود ہٹا اور ابرا کو دیکھا۔ اس کی جھجک کو دیکھ کر ہٹا اس کے قریب آگئے۔

”رسم پوری کر دینا۔“ ہٹا کا ہاتھ سر پر آ رہا تھا۔ اس کی ساری حسیات الرٹ ہو گئیں۔ اس کے پھیلے ہاتھ پر اس نے انگلی میں سرعت سے رنگ ڈالا تھا۔ بمشکل تھوڑی دیر وہ برداشت کر سکی۔ پھر سینا سے اندر جانے کے لیے اصرار کرنے لگی۔ ”تھوڑی دیر اور“ کرتے ہوئے بھی پورا گھنٹہ لگ گیا تھا۔ وہ ساری کڑیاں جوڑ جوڑ کر بلکان ہونے لگی۔

”آئی کیا ہے یہ سب؟“ کمرے میں آتے ہی تھیر کو زبان مل گئی۔

”مجھے نیچے بہت کام ہے۔ بھیج رہی ہوں۔ مسٹری میں کو وہی سب بتائے گا تم کو۔“ سینا جا چکی تھی وہ شل شل کر ٹنک آگئی تو یا کئی میں نکل آئی۔ نظریں آسمان کے سینے پر اٹھیں تو یاد آیا۔ آج شاید چاند رات ہو۔ جو

گھور نے لگیں تو ہنس دیا۔

”آئی میں وہ اپنی کزن فضا میں انٹر سٹڈ ہے۔ اب ہم بہت اچھے دوست ہیں۔“ وہ کہتا جا رہا تھا اور سکون اس کے اندر پھیل چکا تھا۔ پل بھر میں ساری بدگمانی دھل گئی۔

”تم یہ سب پہلے بھی تو بتا سکتے تھے اگر جو مارے حیرت کے میرا پارٹ فیل ہو جاتا؟ تمہارا کیا ہے چل دیتے کسی اور کو رنگ پہنانے۔“

”آئی بدگمانی؟“ اس نے سیدھا ہو کر ہاتھ سینے پہ باندھ لیا۔ مسکراتی نظریں اس کا طواف کر رہی تھیں۔ روٹھا چہرہ اس کے بے حد قریب تھا۔ عین اسی وقت ”چاند نکل گیا“ کا شور اٹھا۔ دونوں کی نظریں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ شوال کا باریک چاند بدلیوں سے نکل رہا تھا۔ نیا چاند اپنے ساتھ ان کی دائمی خوشیوں کی نوید لایا تھا۔ آنکھیں بند کر کے دونوں نے ایک ہی دعا کی تھی ان کی رفاقت کا ہر لمحہ خوشیوں سے معمور رہے۔ آسمان کے چاند سے نظر پھیر کر اس نے اپنے چاند کو بھرپور نظروں سے دیکھا۔ دعا کو ہاتھ اٹھائے پلکیں موندے۔ ملتے لب دعا گو تھے۔ چین میں پرویا رنگ آج بھی اس کے گلے کی زینت بنا ہوا تھا۔ تیسری انگلی میں اس کے نام کی رنگ جھلملا رہی تھی۔

”کیا سوچ رہے ہو؟“ ہاتھ چہرے پہ پھیر کر استفسار کیا۔

”ناحق لوگوں نے محبت کو بدنام کیا ہوا ہے۔ میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ تمہاری محبت نے مجھے سنوار دیا ورنہ نجانے میں آج کہاں ہوتا۔“ اس شخص کی خاموشی جدائی نے اسے کتنا بے کل کیا تھا آج جب اس کے دو برو جنوں و محبت کا اظہار کر رہا تھا تو دل کی بہتی میں گلاب رت اتر آئی۔

”جدائی کے لمحوں میں مجھ پہ کھلا میں کچھ بھی نہیں تمہارے بغیر؟“ اعتراف جنوں کا دلکش انداز تھا ”کوئی دوسری نہیں ملی؟“ چراتے ہوئے اس نے خاموشی سے اس ساحر کو دیکھا۔ جو ہر پل جانو کرتا تھا۔ مسکراتے ہوئے ہاتھ برہا نر اس نے اس کی تیسری

انگلی کو تھام لیا ”تم جیسی کوئی نہیں ہے۔“ محسوسات کا اظہار اس نے بے ساختہ شعر پڑھ کر کیا۔

روز کروں میں پائیں تم سے
دل چاہے ملاقاتیں تم سے
بن تیرے دل کھنڈر جاناں
عیدیں اور شہزادیں تم سے
اس کی انگلی میں موجود رنگ کو دائرے میں گھما کر

نرمی سے دیاؤ ڈالا۔ ساحر آنکھیں ”قاتل آنکھوں“ گڑھی ہوئی تھیں۔
”مس کیا تھا؟“
”نہیں۔“

”فراموش کر دیا تھا؟“
”نہیں۔“

”پیار کرتی ہو مجھ سے؟“
”نہیں۔“

”شادی تو کرو گی نا؟“ تپ کے اسے دیکھا۔
”نہیں۔“ ملجہ اٹل اور دو ٹوک تھا۔

”دہاٹ؟“ ایک دم سے چیخا۔ اس کے شانے رکھے وہ مسکرا رہی تھی۔ موتیا کی خوشبو نے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ معصوم انداز اظہار اس کے لب بے ساختہ مسکرا دیے۔ ”نہیں۔“ کا منہ سمجھ آ گیا تھا۔

”چیشو کے ساتھ رہ کر چیشو بن گئی ہوں۔“ مسکرا ہٹ بھرپور اور بے ساختہ تھی۔

”چاند مبارک۔“ دھیرے سے گویا ہوئی۔ اس ہاتھ اس کے آچل تلے ٹک گیا۔ دو سرا بازو دھو کر گرد تھا۔ بائیں طرف سر جھکاتے اس کے سر سے اُپا سر ہو لے سے ٹکراتے سرگوشی کی۔

”تمہیں ازون ار تفضی مبارک۔“ اس کی ہنس ہنسی بے ساختہ اور بھرپور تھی۔